THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ریاست نبوی ﷺ: اسلامی سیاسی نظم کی بنیادیں

Prophetic State: Political Foundations of Islamic Order

Bushra Ashraf
Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan
Email: bushrairfan941@gmail.com
Dr. Syed Hamid Farooq Bukhari
Head, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan
Email: hamid.farooq@uog.edu.pk

ABSTRACT

This article explores the foundations of the Islamic political order as established by Prophet Muhammad ,(ﷺ) tracing its roots from the Makkan period to its practical realization in Madinah. The study argues that the foundations of the Prophetic State were laid during the Makkan era through the cultivation of faith, moral discipline, social responsibility, and a distinct collective identity among Muslims. The Makkan phase served as a preparatory stage that shaped the ideological and ethical framework necessary for state formation. Following the Hijrah, these principles were translated into a functional political system in Madinah based on justice, consultation (Shūrā), rule of law, accountability, and the protection of human rights. The article further examines the significance of the Constitution of Madinah, interfaith relations, public welfare, and administrative organization as essential components of the Prophetic model of governance. By analyzing the Qur'an, Sunnah, and early Islamic historical sources, the study demonstrates that the Prophetic State represented a comprehensive and value-based political order whose principles continue to offer guidance for contemporary governance and political thought.

KEYWORDS: *Prophetic State, Islamic Political System, Makkan Period, Madinan State, Governance, Shūrā, Justice, Constitution of Madinah.*

تعارف(Introductio)

پیارے نبی ﷺ کی ذات بابرکات دنیا کی وہ واحد ہستی ہے جس کے اندر تمام اعلیٰ اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں االلہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس نے ہر دور میں انسانوں کی راہنمائی کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا جو اللہ کے حکم سے اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں جن پر نبوت کی تکمیل ہوگئی اور آپؐ نے اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپؐ کی تعلیمات نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا: ﴿وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین﴾[1] ترجمہ: "اور ہم نے آپؐ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔" آپؐ سرور کائناتؐ وہ واحد ہستی ہیں جن کے اندر تمام اعلیٰ اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات مقدسہ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس کے حوالے سے آپؐ کی تعلیمات میں کوئی تشنگی محسوس ہوتی ہو۔ بقول نعیم صدیقی: "آپؐ کی سیرت کے مدرسے سے ایک حاکم، ایک امیر، ایک وزیر، ایک افسر، ایک ملازم، ایک آقا، ایک ریفارمر، ایک فلسفی، ایک ادیب ہر کوئی یکساں درس حکمت و عمل لے سکتا ہے۔ وہاں ایک بچے کے لئے، ایک ہمسفر کے لئے، ایک پڑوسی کے لئے یکساں مثالی نمونہ موجود ہے۔ ایک بار جو کوئی اس درس گاہ تک آ پہنچتا ہے پھر اسے کسی اور دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسانیت جس آخری کمال تک پہنچ سکتی تھی وہ اس ایک ہستی میں جلوہ گر ہے۔ اسی لئے اس ہستی کو انسان اعظم ﷺ کہنے پر مجبور ہوا۔ تاریخ کے پاس انسان اعظم صرف ایک ہی ہے جس کو چراغ بنا کر ہر دور میں ہم ایوان حیات کو روشن کر سکتے ہیں۔"[2] نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اسلام میں مذہب اور سیاست کی دوئی نہیں ہے بلکہ یہ مذہب کا ایسا شعبہ ہے جس کے ذریعے اسلامی حکومت کا قیام نافذ العمل ہوا جو کہ آپؐ کا مقصد بعثت تھا۔ ﴿هو الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾[3] ترجمہ: "وہی ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو دین حق اور ہدایت دے کر بھیجا ہے تاکہ تمام ادیان (باطلہ) پر اسے غالب کر دے۔" سیاست کے ذریعے ہی حاکمیت الٰہیہ کو انسانی معاشرے

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

میں قائم کیا گیا۔ آپ ﷺ کی سیاست نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی اور محمد ﷺ کی اتباع میں دیا جائے۔ زیر نظر سطور میں ہم عہد نبویؐ کے دونوں ادوار یعنی مکی اور مدنی دور میں سیاسی ارتقاء اور سیاسی نظم کے اصولوں پر گفتگو کریں گے۔

عہد رسالت کا سیاسی نظم

حضرت محمد ﷺ کی سیاسی تعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات کا ایک جزو سیاسی نظام کے تعارف، اسلامی ریاست کی بنیادوں کی تعیین، اسلامی ریاست کے اصولوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ جس کے حوالے سے بے شمار احادیث، کتبِ احادیث میں موجود ہیں جبکہ آپؐ کی شخصیت کا دوسرا پہلو اس ضمن میں یہ ہے کہ آپؐ نے بحیثیت سیاستدان اور حاکم عملی نمونہ پیش فرمایا۔ نبیؐ کریم جب سرزمین مکہ میں تشریف لائے تو اس وقت عرب متعدد قبائل میں منقسم تھے جو آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف رہتے، وہ اعلیٰ قدروں اور اعلیٰ نظام سے نا آشنا تھے۔ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ کے تئیس سال میں اپنی سیاست اور حکمت کے ذریعے اس قوم کو اس طرح باہم متحد کر دیا کہ وہ نفوس قدسیہ پوری امت کے لئے مثال بن گئے۔ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھا اور رہتی دنیا تک اسلامی سیاسی نظام کی بے مثال اور قابل تقلید مثال چھوڑی۔

مکہ کا سیاسی نظم: دعوت، مزاحمت اور تیاری

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام کے سیاسی نظم کی بناء ہجرت مدینہ کے بعد ریاست مدینہ طیبہ کے قیام سے ڈالی گئی لیکن یہ ایک غلط تصور ہے۔ "اس نظام کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن حضرت محمد ﷺ کو پورے جہانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا جا رہا تھا۔ جس دن ان کو نبوت عطا کی جا رہی تھی، ﴿اقراء﴾[4] کا سبق پڑھایا جا رہا تھا اور ﴿یا ایھا المزمل﴾[5] اور ﴿یاایھا المدثر﴾[6] کہہ کر پکارا جا رہا تھا۔ محمد ﷺ کو جب پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تو اس واضح تصور کے ساتھ کہ ان کا کام تعلیم کتاب، حکمت، تزکیہ نفوس اور اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ کلمۃ الحق کا مشن سیاسی جدوجہد کے بغیر کیونکر ممکن تھا۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفوس سیاسی سیادت کے بغیر کیسے دیرپا ہو سکتی تھی۔ چراغ مصطفویؐ، شرار بولہبی کے زیر نگین رہ کر کس طرح اتمام نور کر سکتا تھا۔ لہٰذا حضرت محمدؐ نے مکی زندگی میں ہی اپنے فرائض منصبی کے حوالے سے تندہی سے کام شروع کیا۔ وہاں سیاسی کارکنوں کی تربیت کے مرحلے طے ہوئے وہ آزمائشوں کی ایسی بھٹیوں سے گزرے کہ کندن بن گئے اور یہی وجہ ہے کہ جب اسلامی ریاست کے باقاعدہ قیام کا اعلان ہوا تو ہر کارکن اپنی اپنی جگہ پر بھرپور ٹریننگ و تربیت کے ساتھ اپنے کام پر کھڑا ہو گیا ورنہ دنیا میں اور بھی متعدد ممالک کے دساتیر تو اچھے ہیں لیکن کارکن کی تربیت اور وژن نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ دستور محض ایک دستاویز رہ جاتا ہے۔" بنابریں کہا جا سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں رسول رحمتؐ کی بعثت کے بعد ابتداء سے لے کر تیرہ سال اگرچہ کوئی واضح سیاسی حکومت قائم نہ ہوئی لیکن کارکنان کی تربیت کے ساتھ ساتھ ایسے کئی اقدامات ہوئے جنھیں اسلامی سیاسی نظم کی نظری اور فکری بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں اس بحث کو سمجھا جا سکتا ہے۔

توحید کی بنیاد پر سیاسی نظام کی تشکیل

قریش کے سیاسی نظام پر تنقید

مکہ میں آپؐ کی زندگی کو مؤرخین نے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا مرحلہ دعوت کا تھا جس میں آپؐ نے اپنی نبوی زندگی کے ابتدائی تین سال کام کیا جبکہ دوسرا مرحلہ اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا تھا جو کہ چار نبوی سے ہجرت مدینہ تک جاری رہا۔ اس دور میں آپؐ نے یہ پیغام دیا کہ اگر مسلمان غیر مسلم معاشرے میں بطور اقلیت ہوں تو وہ تبلیغ دین کے لئے کس انداز سے اپنا فرض ادا کریں۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی آیات میں بنیادی طور اللہ کی واحدنیت، حاکمیت الٰہیہ اور انسان کے مقام بندگی و اطاعت پر زور دیا جاتا رہا۔ مثلاً: ﴿ان الحکم الا للہ﴾[7] ترجمہ: "بے شک بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔"

مکہ مکرمہ میں محض روحانی و دینی اصلاح پر توجہ نہیں رہی بلکہ سماجی انصاف، طاقتور سرداری نظام کے خاتمے اور انسانی مساوات کے حوالے سے سیاسی شعور کی بیداری کا کام کیا گیا۔ مکی دور میں نازل ہونے والی آیات نے درحقیقت انقلابی نظریاتی ریاست کی فکری بنیادیں استوار کیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ﴾[8] ترجمہ: "بے شک بادشاہی اللہ ہی کی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو" اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ قانون سازی اور حاکمیت کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے یہ مکہ کے مشرکوں اور قبائلی نظام اقتدار کے خلاف اعلان بغاوت تھا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿کلا ان النسان

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ﴾[9] ترجمہ: ”ہر گز نہیں، بیشک آدمی ضرور سر کشی کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا“ ان آیات میں طاقتور طبقے اور اشرافیہ کی ظالمانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا گیا جو سمجھتے تھے کہ وہ صاحب مال و اقتدار ہیں اور زمین پر وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

ج۔ اہل ایمان کو استقامت اور دعوت توحید کے ذریعے تبدیلیٔ نظام کے لئے تیار کیا گیا۔﴿فاستقم کما امرت ومن تاب معک﴾[10] ”پس آپؐ ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی (ثابت قدم رہے) جس نے آپؐ کی معیت میں (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے“ یعنی مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ نظام کی تبدیلی استقامت کے نتیجے میں آئے گی اور وہی لوگ قیادت کے اہل ہوں گے جو اس نظریہ حق پر استقامت سے کھڑے ہوں گے۔ قرآنی آیات کے ذریعے سے معاشرے کے طاقتور طبقوں کی مصنوعی چودھراہٹ اور اجارہ داری کا انکار کیا گیا۔﴿ قال الملاء الذین استکبروامن قومہ لنخرجنک یا شعیب والذین امنوا معک من قریتنا﴾[11] ترجمہ ” ان کی قوم کے سرداروں اور رئیسوں نے جو سرکش و متکبر تھے کہا: اے شعیب! ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہاری معیت میں ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے بہر صورت نکال دیں گے“ اس اور اس جیسی آیات میں مقابل مشرک و کافر قیادت کی سیاسی اجارہ داری کو چیلنج کیا گیا اور بتایا گیا کہ جو قوم شعیبؑ کے سرداروں کی روش تھی وہی روش آج قریش مکہ کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ظلم اور طبقاتی نظام کے خلاف انکار کی ہدایت کی گئی۔﴿واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلاً﴾[12] ترجمہ: ”اور صبر کرو ان باتوں پر جو وہ کرتے ہیں اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ کنارہ کشی کرو“ اس آیت میں آپؐ جیسی انقلابی قیادت کی تربیت کی گئی جو اپنے مخالفین سے متوازن انداز میں نپٹنے کے ساتھ ساتھ اپنے اصولی مؤقف پر قائم تھی۔

سورہ قریش کے ذریعے معاشی اور سیاسی اجارہ داری پر چوٹ کی گئی۔﴿ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾[13] قریش کو ان کے تجارتی اور سیاسی مقام کی یاد دلا کر انہیں دعوت توحید دی گئی گویا یہ واضح کیا گیا کہ تجارت اور اقتدار اللہ کی بندگی کے تابع ہونے چاہئیں۔ گویا ”جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اس وقت عرب کا تمدن، سیاست، معاشرت اور مذہب ہر اعتبار سے انحطاط کا شکار تھا۔ دین نام کو باقی نہ تھا۔ حکومت قبیلوں میں بٹی ہوئی اور جاہلانہ تعصب میں گرفتار تھی۔ ایسے عالم میں آپؐ نے جو دعوت دی اس کا اثر صرف مذہب تک محدود نہ رہا بلکہ اس نے معاشرت، تمدن، سیاست سب پر اثر ڈالا“[14]

سیاسی نظم کی بنیاد اور دارارقم کی تنظیم

”اسلام کا ابتدائی دور، جب مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھائے جا رہے تھے ایسے میں حکمت کا تقاضا تھا کہ رسول ﷺ مسلمانوں کو قولاً و عملاً اظہار اسلام سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپؐ ان کے ساتھ کھلم کھلا اکٹھے ہوتے تو مشرکین آپؐ کے تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملاً نبوت کے چوتھے سال ہو بھی چکا تھا جس کی تفصیل یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھا تو گالم گلوج اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے۔ جواباً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ خون ابل پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔“[15] لہٰذا یہ واضح تھا کہ اگر اس طرح کا ٹکراؤ بار بار ہوتا اور طول پکڑتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آ جاتی لہٰذا حکمت کا تقاضا تھا کہ پس پردہ کام کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ اپنا اسلام، اپنی عبادت، اپنی تبلیغ، اجتماعات پس پردہ کیا کرتے تھے البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ و عبادت کا کام مشرکین کے سامنے کھلم کھلا کرتے تھے۔ تاہم آپ ؐمسلمانوں کے ساتھ ان کی مصلحت کی خاطر خفیہ طور سے جمع ہوتے۔ حضرت ارقمؓ بن الارقم مخزومی کا مکان کوہ صفا پر مشرکوں کی نگاہوں سے الگ تھلگ واقع تھا اس لئے 5 نبویؐ میں اسی مکان کو آپؐ نے اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اجتماع کا مرکز بنایا“[16]

اسلام کی اس ابتدائی درس گاہ دارارقم کا کردار محض ایک مدرسے یا دعوت کے ابتدائی مرکز کا نہیں تھا بلکہ یہ نبوی سیاسی نظم کی نظریاتی اساس کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں دین کی دعوت کے ساتھ ساتھ صحابہؓ میں سیاسی شعور اور اجتماعی نظم کی بنیادیں رکھی گئیں۔ یہاں اسلامی نظریہ حاکمیت کا تصور صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں راسخ کیا گیا۔ یہ ایک محدود مگر نظریاتی طور پر ایسا جامع ادارہ تھا جہاں رسول اللہؐ کی نبوی قیادت کا خاکہ صحابہؓ کی عملی تربیت کے ذریعے سامنے لایا گیا۔ اس ادارے نے آنے والے اسلامی ریاستی نظام کی فکری اور اخلاقی بنیادیں رکھیں۔ یہاں تیار ہونے والے افراد کو تنظیم، انضباط اور سمع و اطاعت جیسے بنیادی سیاسی اصولوں کی تربیت دی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

گئی۔ یہی وہ مرکز تھا جہاں سے اجتماعی شعور کی بیداری کا آغاز ہو۔ اس ابتدائی ادارے میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، حمزہؓ، بلالؓ جیسے اکابر صحابہؓ تیار ہوئے جنہوں نے بعد میں اسلامی خلافت اور سیاسی نظم کی عملی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:"الصفاوھی دارالتی کان النبیؐ یجلس فیھا فی الاسلام۔۔۔۔وکان رسول اللہﷺ فی دارہ التی عندالصفا حتی تکاملواالربعین رجلا مسلمین و کان آخرھم اسلاما عمر"[17] گویا دار ارقم محض قرآن سکھانے کی جگہ نہیں تھی بلکہ دین کی بنیادیں رکھنے کی تربیت گاہ تھی جہاں قیادت، اطاعت اور اجتماعی نظم کا شعور بیدار کیا گیا۔ الدکتور علی محمد الصلابی لکھتے ہیں: دارارقم کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ حضرت ارقم بن الارقمؓ کا اسلام ابھی مخفی تھا ان کا تعلق بنو ہاشم کے حریف قبیلے بنو مخزوم سے تھا اور وہ اس وقت کم عمر تھے قریش اگر مسلمانوں کے اجتماع کی تلاش کرتے تو اس نوجوان کے گھر کی طرف دھیان نہ جاتا"[18]

یہی وجہ ہے کہ دارارقم دعوت اسلام کے لیے ایک محفوظ، خفیہ اور مؤثر مرکز ثابت ہوا جہاں رسول اللہؐ صحابہ کرامؓ کی تعلیم تربیت کا فرض انجام دیتے رہے۔ دار ارقم نے قیادت سازی، نظم اور سیاسی بصیرت پیدا کرنے والے مرکز کا کردار ادا کیا۔ گویا دار ارقم محض ایک تبلیغی مرکز نہیں تھا بلکہ یہ اسلامی سیاسی فکر کی پہلی تجربہ گاہ تھی جہاں ریاست مدینہ طیبہ کی فکری ساخت تیار کی گئی۔

3۔ مکہ میں ظلم، مقاطعے اور مزاحمت: اسلامی تحریک کی سیاسی بنیادیں

اسلامی تحریک کا آغاز مکہ مکرمہ میں ایسے ماحول میں ہوا جہاں قریش مکہ کی سرداری اور قبائلی مفادات کی سیاست عروج پر تھی۔ آپؐ کے پیغام توحید نے اس باطل نظام کو چیلنج کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپؐ اور آپؐ کے متبعین صحابہؓ کو شدید ترین سماجی، معاشی اور جسمانی مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن مجید قریش مکہ کی اس ذہنیت کو قوم نوحؑ کے ساتھ مماثلت قرار دیتا ہے۔﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِـهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾[19] ترجمہ:"اور انہوں نے کہا تم اپنے معبودوں کو ہر گز نہ چھوڑو اور نہ وڈ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑو"

یعنی وہ اپنے جاہلی نظام کے دفاع میں لوگوں سے کہنے لگے کہ تم اپنے معبودوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ہر گز نہ چھوڑنا۔ یہ مزاحمت دراصل اس نئے سیاسی و سماجی نظم کی مخالفت تھی جو اسلام پیش کر رہا تھا۔ یہیں سے مزاحمت کا آغاز ہو گیا۔ اس مزاحمت کی ایک جھلک اور اس کے نتیجے میں ہونے والی سیاسی تربیت کو ذیل کی سطور میں چند نکات کی صورت میں درج کیا جا رہا ہے۔ بقول علامہ اقبال

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی[20]

الف۔ ابتداءً آپؐ کی دعوت پر سیخ پا ہونے، ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو اس تحریک کو روکنے کی پیش کش روکے جانے کے بعد اعلانیہ مخالفت اور ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں پہلا وار آپؐ کی تحقیر، استہزاء اور تکذیب کی کوشش تھی جس کو قرآن مجید نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔﴿ "وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾[21] ترجمہ:" اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (قرآن) اترا ہے تو تو مجنون ہے"﴿ وَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ﴾[22] ترجمہ:"اور کفار نے کہا یہ جھوٹا جادوگر ہے"۔﴿ أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا﴾[23] ترجمہ:"کیا یہ ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کے لیے چنا ہے؟"

اسی طرح سورۃ المطففین کی آیات 29۔33 میں مشرکین کی کیفیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حق کی مخالفت کے اس وار نے مسلمانوں کے دلوں میں مقصد سے محبت اور منزل کے حوالے سے یکسوئی پیدا کی۔ اتنا ہی یہ ابھرے گا، جتنا کہ دباد وگے کے مصداق قافلہ حق کے راہیوں کی ہمتیں بڑھتی گئیں۔ ان واقعات نے مسلمانوں میں یہ سیاسی شعور پیدا کیا کہ سیاسی قیادت کی کردار کشی سے گھبرانا نہیں، بلکہ کردار و عمل سے اس کی تردید کرنی چاہیے۔ قرآن مجید نے جب سورۃ القلم، یٰسین، الشعراء جیسی سورتوں میں ان اعتراضات کا جواب دیا تو آپؐ کی شخصیت مزید نکھر کر سامنے آئی۔ نبیؐ نے اشتعال میں آکر رد عمل دینے کی بجائے صبر و وقار کا دامن تھامے رکھا۔

ب۔ دوسرے مرحلے پر آپؐ کی تعلیمات کو مسخ کر کے، شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اعتراضات کا نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی کہ آپؐ کو دعوت و تبلیغ کا موقع نہ مل سکے۔ قرآن اس ذہنیت کی عکاسی یوں کرتا ہے:﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ن افْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ﴾[24] "ترجمہ:"یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے۔"﴿ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِى الْاَسْوَاقِ ۘ﴾[25] ترجمہ:"اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے"

قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ان کے اعتراضات کا رد کیا اور اسلامی تحریک کے کارکنان کے دلوں میں اس دعوت اور اس کی صداقت کو راسخ کیا۔ اس کے نتیجے میں دلیل، تسلسل اور صبر کی حکمت عملی کی تربیت ہوئی جو مدینہ میں باقاعدہ حکومت کے وقت توشہ ثابت ہوئی۔

ج۔ دعوت کو روکنے کے لئے ﴿لهو الحديث﴾[26] کا سہارا لیا گیا۔ کچھ لو کچھ دو کے اصول پر افہام و تفہیم کی کوشش کی گئی ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾[27] ترجمہ: ''وہ تو چاہتے ہیں کہ کہیں آپؐ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں۔'' ''مشرکین نے یہ تجویز بھی دی کہ آپؐ ہمارے معبودوں کو قبول کر لیں تو ہم بھی آپؐ کے خدا کی عبادت کریں گے''۔[28] مشرکین کی اس پیش کش نے واضح کیا کہ آپؐ کی دعوت اتنی مؤثر ہو چکی ہے کہ مخالف مصالحت پر تیار ہونے لگے تھے۔ اس موقع پر جب آپ ﷺ نے انکار کیا۔

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ(1)لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ(2)وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ(3)وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ(4)وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُؕ(5)لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ(6)﴾[29]

ترجمہ: ''کہہ دیجئے اے کافرو! جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔''

یہ فکری بلندی اور اصولی سیاست کی اعلیٰ مثال تھی۔ اس مرحلے پر مسلمانوں کی سیاسی تربیت میں یہ بات بھی شامل ہوئی کہ حق و باطل کا امتزاج کبھی قبول نہ کیا جائے۔

د۔ ''ہر طرح کے حربوں کی ناکامی کے بعد جسمانی ظلم کی انتہا کر دی گئی۔ قریش نے اجتماعی طور پر نبی ہاشم و نبی مطلب کا بائیکاٹ کیا اور ایک معاہدہ تحریر کیا جسے سیرت کی کتابوں میں عموما الصحیفۃ الظالمۃ کہا جاتا ہے۔''[30] ''نبی کریمؐ کو پتھر مارنے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کو اذیتیں دی گئیں اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جاتا۔ کمزور مسلمانوں کو مارا جاتا''[31] حضرت مصعب بن عمیرؓ کی والدہ نے ان کو گھر سے نکال دیا۔ بعد ازاں انہوں نے حبشہ ہجرت کی جب واپس آئے تو متغیر الحال تھے۔''[32] غرض اسی طرح کے بے شمار واقعات پیش آئے۔ یہاں ان کو تفصیل سے بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ سمجھا جائے کہ ظلم و جبر کے اس دور میں مسلمانوں کو سیاسی تربیت کے اعتبار سے کیا فائدہ پہنچا۔ اس کے نتیجے میں سیاسی استقامت اور غیر مسلح جدوجہد کی بناء ڈالی گئی۔ آپQ نے انفرادی تربیت، صبر اور نظم وضبط کی وہ مثال قائم کی جس نے بعد کی قیادت کو مستحکم کیا۔

5۔شعب ابی طالب، سماجی و سیاسی مقاطعہ

جب قریش کی ہر طرح کی چالیں ناکام رہیں تو انہوں نے مسلمانوں کا مقاطعہ کیا اور ان کو شعب ابی طالب جو کہ شعب بن ہاشم کے نام سے جانی جاتی ہے میں تنہا رہنے پر مجبور کیا۔ یہ مسلمانوں کا نہ صرف معاشی مقاطعہ تھا بلکہ یہ سیاسی تنہائی اور دباؤ کے ہتھکنڈے تھے۔ اس کی درج ذیل شقیں اور متن اس سیاسی تنہائی اور دباؤ کو واضح کرتا ہے:

(1) مکہ کے کسی شہری کو اجازت نہیں کہ وہ کسی مسلمان سے گفتگو کرے۔

(2) مکہ کے کسی شہری کو اجازت نہیں کہ وہ کسی مسلمان کے بدن کو چھوئے، اگر اس نے ایسا کیا تو ناپاک ہو جائے گا۔

(3) اہل مکہ کسی مسلمان کو نہ کوئی چیز فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے کوئی چیز خرید سکتے ہیں۔

(4) مکہ کے رہنے والے نہ تو کسی مسلمان کو لڑکی دیں گے اور نہ ہی ان سے لیں گے۔

(5) جو کوئی کسی مسلمان کا مقروض ہے تو وہ اسے قرض ادا نہ کرے۔

(6) یہ احکامات اس وقت تک باقی ہیں جب تک محمدؐ اپنے دین سے توبہ نہ کریں یا بنو ہاشم ان کی حمایت سے دستبردار نہ ہو جائیں۔[33]

اس مقاطعہ کی شقیں اسلام اور مسلمان دشمنی کو واضح کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ مسلمانوں کے لئے سخت ابتلاء کا دور تھا اور قریش چاہتے تھے کہ وہ اس بڑھتی اور پھلتی پھولتی طاقت کو جھکا دیں لیکن مسلمانوں نے اس موقع پر اجتماعی صبر، نظم وضبط، قیادت سے وفاداری اور داخلی اتحاد کی زبردست مثال پیش کی اور اپنے اصولی مؤقف پر ڈٹ کر کھڑے رہے۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

6۔ہجرت حبشہ، داخلی صبر کے خلاف خارجی سیاسی اقدام

ہجرت حبشہ بظاہر ایک مذہبی پناہ تلاش کرنے کی کوشش نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ ایک دانشمندانہ سیاسی حکمت عملی اور سیاسی بصیرت کا مظہر تھی۔ مکہ میں جب مصائب و آزمائش کا سلسلہ دراز اور ناقابل برداشت ہوگیا اور آپؐ کی نگاہ بصیرت یہ دیکھ رہی تھی کہ اب اسلام اس سنگلاخ زمین میں مزید برگ و بار نہیں لا سکے گا۔ اگرچہ اولاً پیغمبر اسی سرزمین میں کام کرتا ہے جس کی طرف وہ مبعوث کیا گیا ہو لیکن اگر لوگ نااہل ثابت ہوں تو وہ کسی دوسری آبادی کو مخاطب بناتا ہے لیکن جب تک اللہ کا حکم نہ ہو ہجرت نہیں کی جاتی لہٰذا آپؐ مکہ میں مقیم رہے اور رجب پانچ ہجری میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ یہ قافلہ گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا۔[34] قریش نے اس قافلے کا تعاقب کیا لیکن نامراد لوٹے۔ رجب سے شوال تک مسلمان وہاں ٹھہرے پھر ایک افواہ وہاں پہنچی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے تو سب پلٹ آئے۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ یہ افواہ غلط تھی۔ کچھ لوگ کسی کی حمایت سے مکہ میں داخل ہوگئے اور کچھ واپس حبشہ چلے گئے۔[35] اس کے بعد 7 ہجری میں بہت بڑا قافلہ، جس میں پچاسی (85) مرد اور سترہ (17) عورتیں شامل تھیں، حبشہ پہنچا اور وہاں امن و سکون سے رہنے لگا۔ قریش نے اپنے سفیر وہاں بھیجے اور شاہ حبشہ نجاشی سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ نجاشی نے فریقین کی گفتگو سنی اور حضرت جعفر طیارؓ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ دوسرے دن عمرو بن عاص دوبارہ نجاشی کے دربار میں گیا اور شکایت کی کہ یہ عیسیٰؑ کے بارے میں عجیب بات کرتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمانوں کو کچھ تردد ہوا لیکن انہوں نے باہم طے کیا کہ ہم صاف اور حق بات کریں گے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جن کی سماعت سے نجاشی پر رقت طاری ہوگئی۔ اس نے مسلمانوں کے لئے تکریم کا اعلان کیا اور کفار قریش کو ان کے تحفوں سمیت واپس بھجوا دیا۔[36]

ہجرت حبشہ کئی پہلوؤں سے اہل اسلام کے لئے اور حبشہ کی ریاست کے لئے مفید رہی۔ اس کے چند ایک سیاسی اثرات درج ذیل ہیں:

(الف)۔ مسلمانوں کو قریش کے مظالم سے پناہ مل گئی۔ "فلما رایٰ رسول الله ما يصيب به اصحابه من البلاء ... قال لو خرجتم الى ارض الحبشة فان بها ملكاً لا يظلم احد عنده"[37] یعنی "پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی تکالیف کو دیکھ کر فرمایا اگر تم ارض حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔" گویا یہ داخلی جبر کے خلاف خارجی سیاسی اقدام تھا جو کہ آپؐ کی سیاسی بصیرت کا نمایاں پہلو ہے۔ آپؐ نے طاقت کے مقابلے میں تصادم کی بجائے پر امن سیاسی تدبیر سے کام کیا۔

(ب)۔ ہجرت حبشہ کے پس منظر میں نجاشی جیسے غیر مسلم حکمران کو مسلمانوں کی پناہ کے لئے موزوں سمجھنا آپؐ کی اس وقت کے عالمی سیاسی ماحول سے باخبر ہونے کی بہت قوی دلیل ہے۔[38]

(ج)۔ ہجرت حبشہ سے یہ واضح ہوا کہ اسلامی تحریک کے بین الاقوامی تعلقات کی ابتداء ہونے جا رہی ہے۔ مسلمانوں اور نجاشی کے مابین تعلقات مستحکم ہوئے۔ مسلمانوں کو قریش کے مقابلے میں ترجیح ملی گویا انہیں حق پر تسلیم کیا گیا۔

(د)۔ قریش کی خارجہ پالیسی کو دھچکا لگا اور جب عمرو بن عاص کی بات پر نجاشی نے حضرت جعفر طیارؓ کی بات کو وزن دیا تو ثابت ہو گیا کہ مکہ کا سیاسی اثر و رسوخ ناکام ہو رہا ہے حالانکہ قریش کے حبشہ سے گہرے تجارتی تعلقات تھے۔

(ھ)۔ ڈاکٹر محمود غازی کہتے ہیں کہ "ہجرت حبشہ اگرچہ مظلوم مسلمانوں کے لئے تحفظ کا باعث بنی لیکن امر واقعہ ہے کہ جو افراد ہجرت کر کے گئے وہ سب مظلوم اور کمزور نہیں تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ حضرت عبد المطلب کے پوتے اور ابو طالب کے صاحبزادے تھے اور بنی ہاشم کے سرکردہ فرد تھے۔ ان کا شمار کبھی مظلومین مکہ میں نہیں رہا۔ گویا مہاجرین حبشہ کے انتخاب پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک متبادل دار الہجرۃ کی تلاش شروع کر رکھی تھی اور حبشہ کے دار الہجرت کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے صف اول کے جید صحابہؓ بھی حبشہ بھیجے گئے تاکہ وہ جائزہ لے سکیں کہ حبشہ ہجرت کے لئے موزوں ہے یا نہیں۔ ان قائدین میں عثمان بن عفانؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حذیفہؓ بن عتبہ بھی شامل تھے۔"[39] یہ آپؐ کے بے مثال سیاسی وژن کی عکاسی کرتا ہے۔

(و)۔ حبشہ میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ وہاں ان کی عارضی سکونت تھی لیکن مسلمانوں نے ایک غیر مسلم ریاست میں جس خوبی سے اسلام کی نمائندگی کی اور اپنا سیاسی کردار نبھایا یہ ہمیشہ ان مسلمانوں کے لئے راہنمائی ہوگا جو مختلف ممالک میں اقلیت میں رہ رہے ہیں۔ اس موقع پر مسلمانوں نے اپنے دینی نظریات کے حوالے سے کسی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے جس تنظیم اور نظم کے ساتھ وہاں پر زندگی گزاری وہ بھی اقلیتوں کے لئے ایک مثال ہے۔ مسلمان اگرچہ حبشہ میں تھے لیکن اپنے دینی مرکز سے مسلسل ربط میں رہے۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

7۔ بیعت عقبہ، نبوی ریاست کی تمہید

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ مکرمہ میں دعوت حق کا فریضہ تیرہ سال انجام دیا۔ اہل مکہ کی سختیوں کے باوجود آپؐ دعوت دین کے لئے مواقع تلاش کرتے رہے۔ 11 نبوی کو حج کے موقع پر آپؐ منیٰ تشریف لائے۔ حسب دستور مختلف قیام گاہوں میں تشریف لے گئے اور دعوت اسلام دی جس کو قبولیت نہ دی گئی۔ ایک روز عقبہ کے مقام پر اوس و خزرج کے ایک گروہ سے ملے۔ اور انہیں دعوت اسلام دی۔ ان چھ افراد نے وہ دعوت قبول کر لی اور اگلے سال شرف باریابی کا وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قبیلے کو دعوت دیں گے اگر وہ متفقہ ایمان لے آئیں تو ہمارے ہاں آپؐ سے بڑھ کر کوئی معتبر نہ ہو گا۔[40] اس بیعت کے نکات یہ تھے:[41]

ا۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

ب۔ چوری نہیں کریں گے۔

ج۔ زنا نہیں کریں گے۔

د۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

ھ۔ جان بوجھ کر جھوٹا الزام نہیں لگائیں گے۔

و۔ کسی اچھی بات میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

یہ شرائط صرف عقائد تک محدود نہ تھیں بلکہ اجتماعی، اخلاقی اور سیاسی نظم کی ابتداء تھیں۔ اس بیعت کو بیعت النساء بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے الفاظ اس بیعت سے بہت مشابہ ہیں جو ہجرت کر کے آنے والی خواتین سے بہت سال بعد لی گئی۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[42]

ترجمہ: ” اے نبی ﷺ جب آپ کے پاس آئیں مومن خواتین آپ سے بیعت کرنے کے لیے اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ کوئی بہتان باندھیں گی جو ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے مابین سے ہو تو (اے نبی ﷺ آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے استغفار کریں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

ابن سعد اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عقبہ اولیٰ کے شرکاء جب مدینہ گئے تو وہاں پر دعوت کا کام کیا۔ کوئی محلہ ایسا نہ رہا جہاں آپؐ کا ذکر نہ ہو لہذا 12 نبوی کو بارہ افراد اس مقام عقبہ پر آپؐ سے ملے جہاں پہلا گروہ ملا تھا۔ ان میں سے پانچ وہی پرانے اصحاب تھے جبکہ سات نئے افراد تھے۔[43] ان افراد نے آپؐ کے دست مبارک پر ایمان کی بیعت کی اور انہی شقوں کو دہرایا گیا۔ اس لئے اس کو سیرت اور تاریخ کی اکثر کتب میں بیعت عقبہ اولیٰ ہی کہا جاتا ہے لیکن کچھ اہل علم نے اس کو بیعت عقبہ ثانیہ کا نام دیا ہے۔ آپؐ نے ان بارہ افراد کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بطور معلم مدینہ بھیجا۔ ان کا کام ایک طرف تو مدینہ میں اسلام کی تبلیغ اور اہل مدینہ کی تربیت و تعلیم تھا دوسری طرف یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ مدینہ دارالہجرت کے اعتبار سے کس قدر مفید ہے۔ حضرت مصعبؓ اسعد بن زرارہؓ کے ہاں ٹھہرے اور جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ مدینہ میں اسلام بہت تیزی سے پھیلنے لگا۔ بنی اشہل کے سرداروں نے ایک ہی دن میں اسلام قبول کیا اور ان کے اسلام قبول کرتے ہی پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[44] مدینہ کے ہر گھر میں دعوت اسلام پہنچی اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں لوگ مسلمان نہ ہو چکے ہوں۔ چنانچہ نبوت کے تیرھویں سال حضرت مصعب بن عمیرؓ کامیابی کی بشارتیں لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور آپؐ کو قبائل یثرب کے حالات، ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں اور خیر کی لیاقتوں کی تفاصیل سنائیں۔[45] آپؐ یہ سب سن کر بہت خوش ہوئے کیونکہ اس دعوتی اور تبلیغی کامیابی نے آئندہ دین اسلام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ نبوت کے تیرھویں سال یثرب سے ستر سے زیادہ مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آئے۔ مقام عقبہ پر ایام تشریق کے درمیانی دن یعنی 12 ذوالحجۃ کو ملنے کی قرارداد ہوئی۔ یہ اجتماع رات کی تاریکی میں خفیہ طریقے سے ہوا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کے مطابق اس میں 75 لوگ شریک تھے جن میں تہتر (73) مرد اور دو (2) عورتیں تھیں۔[46]

یہ بیعت ایک اہم سیاسی معاہدہ تھا جو ریاست مدینہ کی تشکیل میں سنگ میل ثابت ہوا۔ سیرت نگاروں نے اسے بیعت حرب و ضرب بھی کہا ہے کیونکہ اس کی اہم ترین شرط تھی کہ نبی کریمؐ کی حفاظت کے لئے آخری حد تک کوشش کی جائے گی۔ اہل یثرب نے اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہ ﷺ جس سے جنگ کریں گے وہ بھی اس سے جنگ کریں گے اور جس سے صلح کریں گے وہ بھی اس سے صلح کریں گے۔ اسی مناسبت سے اس بیعت کو بیعت الحرب کہتے ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337
Vol.4, No.1, 2026

ابن ہشام نے لکھا ہے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی تلاوت اللہ کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا:"میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو"اس پر حضرت براء بھی معرورؓ نے آپ کا دست مبارک پکڑا اور کہا: ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے ہم یقینا اس چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں لہذا اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم خدا کی قسم جنگ کے بیٹے ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے، ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آ رہی ہے" آپ بات کر ہی رہے تھے کہ ابو الہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسولؐ ہمارے اور کچھ لوگ یعنی یہود کے درمیان عہد و پیمان کی رسیاں ہیں اور اب جب ہم ان رسیوں کو کاٹنے والے ہیں تو کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ جب ہم ایسا کر ڈالیں پھر اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ جائیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: نہیں بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں جس سے آپ جنگ کریں گے میں اس سے جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے اس سے میں صلح کروں گا۔[47] جب انصار نے سوال کیا کہ ہم کس چیز پر بیعت کریں تو آپؐ نے فرمایا: "بايعونی على السمع و الطاعة فی النشاط و الكسل و على النفقة فی العسر واليسر و على الامر بالمعروف و نہی عن المنكر و على ان تقولوا فی الله لا تاخذكم لومة لائم و على ان تنصرونی اذا قدمت عليكم تمتعونی مما تمتعون عنه انفسكم و ازوجكم و ابناء كم و لكم الجنة"[48] یعنی:۔

ا۔ تم میری بات سنو گے اور اس کی اطاعت کرو گے خوشحالی کی حالت میں بھی اور درماندگی کی حالت میں۔

ب۔ تم اللہ کے لئے خرچ کرو گے چاہے تم تنگ دست ہو یا فارغ البال۔

ج۔ تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرو گے۔

د۔ اللہ کے لئے گفتگو کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔

ھ۔ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں تو تم میری مدد کرو گے اور ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنی اولادوں کا دفاع کرتے ہو۔ اگر تم اس بیعت کو نبھاؤ تو اللہ تعالی تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: (فقمنا اليه رجلا رجلا فاخذ ليعطينا بذلك الجنة)[49] ترجمہ: "پس ہم ایک ایک کر کے ان ﷺ کے پاس جاتے اور وہ ہمیں جنت عطا فرماتے جاتے تھے"

ابن کثیر کے مطابق ان میں 11 آدمی اوس اور 62 آدمی خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔"[50] اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ یا بیعت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ اس بیعت نے آگے چل کر تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں: "یہ بیعت ایک ایسی فضا میں زیر عمل آئی جس پر محبت و وفاداری، ستر اہل ایمان کے درمیان تعاون و تناصر، باہمی اعتماد اور جان نثاری و شجاعت کے جذبات چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ یثربی اہل ایمان کے دل اپنے کمزور مکی بھائیوں کی شفقت سے لبریز تھے ان کے اندر اپنے بھائیوں کی حمایت کا جوش تھا اور ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف غم و غصہ تھا ان کے سینے اپنے اس بھائی کی محبت سے سرشار تھے جسے دیکھے بغیر محض للہ فی اللہ اپنا بھائی قرار دے لیا تھا"[51]

بیعت عقبہ ایک انقلابی موقع تھا جب اس موقع نے آپ ﷺ کے دروازے پر دستک دی تو آپؐ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اہل مدینہ کی ہجرت کی پیشکش کو قبول فرمایا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: "اہل یثرب آپؐ کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ کے نائب اور اپنے امام و فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے تھے اور مقصود یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں وہ یثرب میں جمع ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظم اسلامی معاشرہ بنا لیں۔ اس طرح یثرب نے اپنے آپ کو دراصل مدینۃ الاسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور نبیؐ نے اسے قبول کر کے عرب میں پہلا دار الاسلام بنا لیا"[52] مولانا گوہر الرحمٰن نے بڑے خوبصورت انداز میں اس بیعت پر اپنا تجزیہ لکھا ہے وہ کہتے ہیں: "بیعت عقبہ کے بعد مسلمانوں نے ہجرت کی اور تقریباً اڑھائی ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے بھی ہجرت فرما کر مدینہ کو اسلام کا مرکز بنا دیا۔ بارہ نقباء کا تقرر اور بیعتوں میں اطاعت کے ساتھ نصرت و جہاد کا وعدہ لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ بیعت عقبہ دراصل اسلامی ریاست کی تمہید تھی اور دعوت کے ساتھ ایک سیاسی حکمت عملی بھی تھی جس کے نتیجے میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی گئی۔"[53] گویا بیعت عقبہ اسلامی تاریخ میں انقلابی موڑ کی حیثیت رکھتی ہے یہ سیاسی اور محض ایک دینی عہد نہیں تھا بلکہ ایک ایسے سیاسی اور عسکری معاہدے کا آغاز تھا جس نے نبی اکرمؐ کو محفوظ سیاسی پناہ گاہ فراہم کی جہاں آپؐ کو ایک طرف قیادت و اطاعت حاصل ہوئی اور دوسری طرف منظم ریاست کے قیام کے لئے عوامی حمایت میسر آئی۔ اہل مدینہ نے آپؐ کو بالاتر قیادت تسلیم کیا۔ اس بیعت

نے مکہ کی مظلوم اسلامی تحریک کو باوقار سیاسی نظام کی طرف منتقل کیا۔ یہ بیعت اس حقیقت کا اظہار ٹھہری کہ کسی دعوت کو جب ریاستی تحفظ حاصل ہو جائے تو وہ دین محض عقیدہ وعبادت تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک مکمل نظام حیات بن کر سامنے آتا ہے۔

8۔مدینہ طیبہ کا سیاسی نظم: قیام ریاست اور عملی نفاذ

جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہجرت کا مقصود محض مصائب و فتن سے نجات نہیں تھا بلکہ آپؐ ایک پر امن علاقے میں اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ "لہٰذا اب وقت آگیا تھا کہ مسلمان ایک نیا معاشرہ یعنی اسلامی معاشرہ تشکیل کریں جو زندگی کے تمام مرحلوں میں جاہلی معاشرے سے مختلف ہو اور عالم کے اندر موجود کسی بھی دوسرے معاشرے سے ممتاز ہو اور اس دعوت اسلامی کا نمائندہ ہو جس کی راہ میں مسلمانوں نے تیرہ سال تک طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔"[54] "ایک نئے معاشرے کی تشکیل ایک دن میں ہونے والا کام نہ تھا بلکہ اس شہری زیست نے دس برس میں ارتقاء کی مختلف منازل طے کیں پھر ایک وقت آیا کہ یہ اتنی بڑی ریاست بن گئی جس کی حدود شمال میں عراق وشام تک، جنوب میں یمن و حضر موت تک، مغرب میں بحر قلزم تک اور مشرق میں خلیج فارس وسلطنت ایران تک وسیع ہو گئیں اور عملی طور پر پورے جزیرہ عرب پر اقتدار نبویؐ قائم ہو گیا۔"[55]

آپ ﷺ کی بنائی گئی اس ریاست میں عدل وانصاف، صحت، قانون، صنعت، تجارت، صلح وجنگ سے متعلق نظام ریاست بنایا گیا اور دنیا کے لئے آپؐ نے یہ مثال قائم کی کہ امور سلطنت کیسے چلائے جائیں۔ اس نظام کی بنیادیں اتنی گہری تھیں کہ صدیوں اس نظام نے حکمرانی کی۔ اس نظام کا خاتمہ محض اس وجہ سے ہوا کہ اس کے متبعین نے اس نظام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کی روش اختیار کر لی ورنہ یہ نظام آج بھی نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ انسانیت کی فلاح صرف اسی نظام میں ہے۔ انسان نے اس نظام کے علاوہ جتنے بھی نظاموں کا تجربہ کیا وہ بہر صورت کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ دیگر نظاموں کو کامیابی بھلا کیونکر ملتی جو انسانی ذہنوں کی محدود رسائی کی بدولت بنائے گئے۔ اس نظام سے نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو حقوق حاصل ہوئے۔ اس اسلامی ریاست کی بنیاد وحی الٰہی پر رکھی گئی اور محمد ﷺ کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا۔ اس کا نظام شورائی تھا۔ یہاں ہر انسان کو امن، عافیت اور سلامتی حاصل تھی۔ سماجی عدل وانصاف، رواداری، قانون کی بالادستی، مواخات اس ریاست کی نمایاں خوبیاں تھیں۔ ذیل کی سطور میں مدینہ طیبہ کے سیاسی نظم کے اہم نکات پر روشنی ڈالی جائے گی:

ا۔ مرکزی قیادت

جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو یہاں تین اقوام موجود تھیں:[56]

(i) آپ ﷺ کے پاکباز صحابہؓ کی منتخب وممتاز جماعت
(ii) مدینہ کے قدیم اور اصل قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے
(iii) یہود (بنی قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع)

آپ ﷺ کو مختلف قسم کے مسائل سے سابقہ پیش آیا۔ خاص طور پر یہود کی سازشوں کی وجہ سے مدینہ کی حیثیت یہ تھی کہ یہود نے اس کو سب سے الگ کر رکھا تھا۔ اس کی برآمدات انتہائی مختصر تھیں۔ مہاجرین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ مکہ کے مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات اچھے نہیں تھے۔ جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ عربوں کا نظم ونسق چونکہ قبائلی طرز پر چلتا تھا اور ہر قبیلہ ایک اکائی تھا۔ آپؐ جب مدینہ تشریف لائے تو یہ قبائلی نظام ایک ملک گیر اور عالمی ریاست میں تبدیل ہو گیا۔ عرب قبائلی روایات کے مطابق قبائلی سیاسی اکائیوں میں منقسم رہنے کے عادی تھے۔ وہ مرکزی اور قومی حکومت کے تصور سے عاری تھے۔ وہ کسی غیر کی حکمرانی تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ "یہ رسولؐ اللہ کا سیاسی معجزہ ہے کہ آپؐ نے مرکزیت سے دشمن قبائل عرب کو ایک سیسہ پلائی ہوئی امت میں تبدیل کر دیا اور ان گنت سیاسی اکائیوں کی جگہ ایک مرکزی حکومت قائم کر دی جس کی اطاعت بدوی اور شہری تمام عرب کرتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا بلکہ واحد سبب یہ تھا کہ اب 'قبیلہ یا خون' کی بجائے 'اسلام یا دین' معاشرے اور حکومت کی اساس تھا۔ اسلامی حکومت کی سیاسی آئیڈیالوجی اب اسلام اور صرف اسلام تھا جس کسی کو اس سیاسی نصب العین سے مکمل اتفاق نہیں تھا، ان کے لئے بھی بعض اسباب سے اس ریاست کی سیاسی بالادستی تسلیم کرنا ضروری تھی"[57]

گویا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں محض ایک دینی رہنما نہ تھے بلکہ آپؐ کو ایک سیاسی وانتظامی سربراہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اہل مدینہ نے آپؐ کی قیادت کو تمام مذہبی، قبائلی اور نسلی اختلافات سے بالاتر ہو کر تسلیم کیا۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

پروفیسر خورشید احمدؒ لکھتے ہیں: "مدینہ کے ماڈل میں خود نبی پاکؐ کو مرکزیت حاصل ہے یعنی آپؐ کے فرمودات (جو وحی پر مبنی ہوتے تھے)، آپؐ کا کردار، آپؐ کے فیصلے اور بحیثیت مجموعی آپؐ کا قائم کردہ طرز حکمرانی ہی اصل ماڈل ہے۔ چنانچہ حضورؐ کی ذات سے تعلق، ان سے رہنمائی لینا اور سنت کو معیار بنانا یہ اس ریاست کی پہلی ضرورت ہے"[58]

(ب)۔مکہ ومدینہ کے سیاسی نظم کا باہم ربط و تعلق

گزشتہ صفحات کی بحث سے اگرچہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ اسلامی ریاست کی بنیاد تو مدینہ میں رکھی گئی لیکن ایسا نہیں کہ اس پر کام مدینہ میں آکر ہی شروع ہوا بلکہ مکہ میں اس کی فکری تیاری کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اس تعلق کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:۔

(i) مکہ کا دور بنیادی طور پر نظریاتی، فکری اور دعوتی دور تھا جبکہ مدینہ کا دور اس اسلامی نظریے کے عملی نفاذ کا مرحلہ تھا۔ مکہ میں توحید، عدل ومساوات، شورائیت کے جو اصول سکھائے جارہے تھے مدینہ میں انہی اصولوں نے ریاستی اداروں کی شکل اختیار کی۔

(ii) مکہ میں رسول اکرمؐ نے جب لوگوں کو دعوت دی تھی تو اہل ایمان نے آپؐ کو نبوی ومذہبی قیادت کے طور پر تسلیم کیا۔ جبکہ مدینہ کی اسلامی ریاست میں آپؐ کو بطور سیاسی رہنما تسلیم کیا گیا اور سیاسی اطاعت وریاستی فرمانبرداری کو قبول کیا گیا۔

(iii) دونوں ادوار میں سیاسی حکمت عملی کا تسلسل بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے مکہ میں خفیہ واعلانیہ دعوت کے ذریعے ایک مضبوط اخلاقی وایمانی حیثیت کی حامل جماعت تیار کی گئی جس نے مدینہ آکر اسلامی ریاست کی مضبوط بنیاد فراہم کی۔

(iv) بیعت عقبہ نے مکی دور دعوت اور مدنی ریاست کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کیا۔ اس بیعت میں پہلی مرتبہ اجتماعی دفاع، اطاعت اور قیادت کے اصولوں پر مبنی معاہدہ عمل میں آیا۔

(v) مکہ مکرمہ میں چونکہ مسلمانوں کو سیاسی برتری حاصل نہ تھی اس لئے باضابطہ سیاسی ادارے نہیں تھے لیکن تربیت میں نظم جماعت کی پابندی، سمع وطاعت، مشاورت، رازداری جیسے اصول سکھائے گئے جن کی بنیاد پر مدینہ میں مختلف ریاستی ادارے مثلاً قضاء، بیت المال، معاہدات، افواج وغیرہ قائم ہوئے۔

(vi) رسول اللہ ﷺ کی ذات مکہ میں بطور داعی، مربی، اور مبلغ نمایاں ہوئی جبکہ مدینہ میں حاکم، قائد اور منصف کے طور پر نمایاں ہوئی۔ البتہ دونوں ادوار میں بنیاد ایک ہی رہی جو وحی، اصلاح معاشرہ اور عدل پر مبنی تھی۔

(vii) دونوں ادوار میں توحید، عدل، حاکمیت الٰہیہ کا قیام مقصد رہے۔ مدینہ میں انہی مقاصد نے نظریاتی سے عملی شکل اختیار کی۔ مقاصد کا یہ تسلسل دراصل اسلامی سیاسی نظام کی روح ہے۔

(viii) قرآنی آیات کے نزول اور مضامین میں بھی ایک تدریج اور تسلسل ہے مثلاً مکہ میں عقائد، صبر واعلیٰ اخلاقی رویوں پر زور دیا گیا جو کہ سیاسی تربیت کا پہلا مرحلہ تھا جبکہ مدینہ میں جہاد، بین الاقوامی تعلقات، معاشی نظام، صلح وجنگ، امن وغیرہ سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔

(ix) مکہ کے مسلمان جو مظلوم بھی تھے اور منتشر بھی لیکن ان میں ایمانی وحدت موجود تھی یہی ایمانی وحدت مدینہ میں سیاسی وحدت اور معاشرتی وحدت میں تبدیل ہوئی۔

(x) مکہ کے ظلم وجبر کے مقابلے میں ﴿۔۔۔كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ۔۔﴾[59] ترجمہ: "اپنے ہاتھوں کو روک لو" کی ہدایت کے ساتھ مزاحمت سے روکا گیا اور صبر وبرداشت کی تربیت دی گئی جس نے مسلمانوں میں اطاعت نظم کا جذبہ پیدا کیا۔ مدینہ میں یہی تربیت دفاع اور استقامت کے طور پر نمایاں ہوئی اور جنگوں میں بھی اطاعت نظم کا یہ سلسلہ قائم رہا۔

گویا "ریاست مدینہ دراصل مکہ میں پیش کی جانے والی دعوت، جدوجہد، کش مکش اور تربیت کا تسلسل اور تکمیل ہے۔ مدینہ کے معنی صرف مدینہ نہیں بلکہ مراد مکہ اور مدینہ کا رسالت محمدیؐ کا پورا دور ہے کیونکہ مکہ اور مدینہ میں دوئی نہیں یک رنگی اور یکجائی ہے۔"[60]

ج. ریاست مدینہ کا آئینی ڈھانچہ: میثاق مدینہ کی صورت میں

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

”ریاست مدینہ کی سیاسی تنظیم میں بیعت عقبہ ثانیہ اور میثاق مدینہ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ بیعت عقبیہ پر گزشتہ صفحات میں مفصل بحث کی جاچکی ہے۔ اس بیعت میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ”آپؐ کو صرف نبیؐ ہی نہیں ماننا بلکہ انہیں قائد، سربراہ مملکت اور مدینہ کا سربراہ تسلیم کرنا ہے۔“[61]

”یہ دوسرا ایثاق، مدینہ میں پہلی ہجری میں ہی غیر مسلموں کے ساتھ ہوا تھا۔ اس سے قبل مسلمانوں میں باہمی تعاون کا ایک معاہدہ کیا جاچکا تھا جس میں جاہلی کشاکش اور قبائلی کشمکش کے خاتمے کی بنیاد رکھ دی گئی اور دور جاہلیت کی تمام رسوم و رواج ختم کر دیئے گئے“[62] لیکن میثاق مدینہ خاص طور پر غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا ایک معاہدہ تھا اور آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ ”ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا“[63]

مدینہ میں مسلمانوں کے قریب ترین پڑوسی یہود تھے جو اگرچہ دل میں مسلمانوں کے خلاف بغض لئے ہوئے تھے تاہم وقتی طور پر انہوں نے کسی جھگڑے کی ابتداء نہ کی تھی لہٰذا آپؐ نے جلاوطنی اور جھگڑے کی سیاست کی بجائے ایک معاہدہ کیا جس نے ان کو دین جان اور مال کی آزادی دی۔ اس معاہدے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

”اس دستوری معاہدے کے ذریعے رسول اللہ ﷺ جو حاصل کیا وہ یہ تھا کہ:” مدینہ کے منظم ہونے والے معاشرے میں اللہ کی حاکمیت اور اس کے قانون کو سیاسی اہمیت حاصل ہوگئی۔ سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار آپؐ کے ہاتھ آگیا۔ دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور اس آبادی کے کسی بھی عنصر کے لئے قریش کی حمایت کے تمام دروازے بند ہوگئے نیز دفاعی اعتبار سے بھی مرکزی اور فیصلہ کن اختیار آپؐ کے پاس آگیا۔“[64]

(i) میثاق مدینہ اسلامی تاریخ کا پہلا تحریری معاہدہ اور قانونی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ یہ ریاستی دستور اسلامی سیاسی نظم کی پہلی قانونی اور عملی بنیاد ہے۔

(ii) اس معاہدے نے ایک ایسا نظام متعارف کرایا جس میں مسلمان، یہودی اور دیگر قبائل ایک سیاسی وحدت قرار پائے۔ جیسا کہ

ابن ہشام کے مطابق: میثاق مدینہ رسول اللہؐ کی قائم کردہ پہلی تحریری اور دستوری دستاویز تھی جس کے ذریعے مدینہ کے مختلف مسلم قبائل کو ایک متحد سیاسی اور سماجی وحدت قرار دیا گیا۔ اس معاہدے میں باہمی تعاون عدل و انصاف، دفاع مدینہ اور اجتماعی ذمہ داری کے اصول طے کیے گئے۔ قبائل کو بعض داخلی معاملات میں خود مختاری دی گئی۔ تمام فریقوں کو امن، انصاف اور مشترکہ دفاع کے لیے ایک سیاسی وحدت کے طور پر تسلیم کیا گیا۔[65]

(iii) میثاق مدینہ قانونی حکمرانی کا اولین نمونہ ہے جس میں ہر فریق کے کچھ حقوق و فرائض مقرر کئے گئے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں:

> ”یہ وہ دستاویز جو نبیؐ نے مدینہ میں تیار فرمائی، انسانی تاریخ کا پہلا شہری دستور ہے۔ جو ریاست کے امور کو شہریت، عدل اور مذہبی تکثیریت کی بنیاد پر منظم کرتا ہے۔“[66]

(iv) اس معاہدے نے واضح کیا کہ مدینہ کی تمام اقوام بیرونی حملہ آوروں کے خلاف متحد ہوں گی۔ اجتماعی دفاع اور امن کے اصول طے کرنے میں یہ معاہدہ اپنی مثال آپ ہے۔

(v) اس معاہدے کی رو سے یہود کو اپنے مذہب پر قائم رہنے اور مالی و سماجی ہر طرح کی آزادی دی گئی۔ یہ معاہدہ بین المذاہب رواداری کی عملی مثال ہے۔ بقول پروفیسر خورشید احمد:

> ”اس معاہدے کی روح یہ ہے کہ حضورؐ نے غیر مسلموں کو غیر مسلم رہتے ہوئے اسلامی ریاست کا شہری مانا، ان کے حقوق طے کئے اور یہ اہداف طے کئے کہ کس طرح سے مل کر دفاع کریں گے۔ طے ہوا کہ یہود اپنے دفاعی اخراجات خود برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے دفاعی اخراجات خود برداشت کریں گے۔۔۔۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مختلف عقائد کے حامل افراد ایک ریاست کے شہری ہو سکتے ہیں اور اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے مشترکہ تعلقات کے ساتھ ریاست کا نظام چلایا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک یہ کہ مسلمانوں کا حضورؐ کو بحیثیت نبی ماننا اور ریاست کا سربراہ ماننا اور غیر مسلموں کا حضورؐ کو نبیؐ تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی انہیں ریاست کا سربراہ ماننا اور آخری سیاسی اتھارٹی تسلیم کرنا۔ پھر یہ کہ اسلامی قیادت اور اسلامی مملکت کا غیر مسلموں کے حقوق اور ان کے مقام کا تعین کرنا۔ مدینہ کا ماڈل سمجھنے کے لئے یہ دونوں معاہدے (میثاق مدینہ اور بیعت عقبہ) بنیاد ہیں۔“[67]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

علی محمد الصلابی کے بقول: " یثاق مدینہ رسول اللہ ﷺ کی عبقریت پر بڑی واضح دلیل ہے کہ جس میں انہوں نے تمام فریقوں کے معاملات طے فرمائے۔ اس کا متن مربوط اور جمع تھا۔ اس وقت کے مدینہ کے مسائل کا توڑ تھا، عدل و انصاف اور کامل مساوات پر مبنی تھا جس میں بنی نوع انسان کو رنگ و نسل اور مذہب وحیثیت سے بالاتر ہو کر ہر طرح کی آزادی تھی۔۔۔۔ آج صدیوں بعد لوگ اسے پہلا سیاسی وثیقہ تسلیم کرتے ہیں جو رسول اللہؐ نے مدون فرمایا"[68] یعنی نبوی یثاق اسلامی تاریخ میں اچھے نظم و حکومت کی پہلی مثال ہے جس میں نبیؐ نے بقائے باہمی، عدل اور شوریٰ پر مبنی سیاسی نظام کی بنیاد رکھی۔ یثاق مدینہ نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت، حکمت عملی اور بے مثال قیادت کی اہلیت کا مظہر ہے۔ بقول نعیم صدیقیؒ: "اس زمانے کے حالات کی پیچیدگیوں کو سامنے رکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کارنامہ کتنے بڑے پیمانے کا کارنامہ تھا۔ اور اس کے پس منظر میں ایک لازوال سیاسی بصیرت اور گفت وشنید کی مہارت کام کرتے ملتی ہے۔ یہ دستوری دستاویز بھی اور دوسرے معاہدات و معاملات اور جنگ و امن کے منصوبے بھی ہمیں آگاہ کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ صرف ایک صوفی و درویش نہ تھے بلکہ اجتماعی معاملات کو سنبھالنے، سنوارنے کے لئے ماہرانہ حکمت سے آراستہ تھے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی پوری پوری صلاحیتیں رکھتے تھے۔"[69] گویا یثاق مدینہ اسلامی سیاسی نظم کے ارتقاء میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو عصر حاضر کے پیچیدہ سیاسی وسماجی تناظر میں راہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔

د۔ مسجد نبوی ﷺ: ریاست کا سیاسی، عدالتی اور انتظامی مرکز

نبی مہربان جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کا تھا۔ اس کے لئے وہی جگہ منتخب فرمائی گئی جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ مسجد کی زمین دو یتیم بچوں سے قیمتاً خریدی گئی۔ آپؐ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ہمراہ خود شریک رہے۔ آپؐ اینٹ اور پتھر ڈھوتے اور فرماتے جاتے:" اللهم ان الاجر اجرالاخرة فارحم الانصاروالمهاجرة" [70] "یعنی اے اللہ! اصل اجر آخرت کا اجر ہی ہے، پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔"

"مسجد کی دیواریں کچی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوائے گئے۔ زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں بچھادی گئیں۔ تین دروازے لگائے گئے۔ قبلے کی دیوار سے پچھلی دیوار تک ایک سو ہاتھ لمبائی تھی چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کچھ کم تھی۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ گہری تھیں۔ مسجد کے اطراف میں ازواج مطہراتؓ کے حجرے بھی تعمیر کئے گئے۔"[71] مسجد نبویؐ ریاست مدینہ کا مرکز اور ہیڈ کوارٹر قرار پائی۔ یہاں صرف عبادات نہیں بلکہ سیاسی، سماجی، عدالتی اور انتظامی فیصلے بھی کئے جاتے تھے۔ غزوات کے فیصلے، جنگوں سے متعلق مشورے، قیدیوں سے گفتگو، مندوبین سے ملاقاتیں، معاہدات کی منظوری، قضاء وعدل کے فیصلے سب یہیں ہوتا تھا۔ گویا یہ عبادت گاہ سے بڑھ کر ریاستی وسیاسی مرکز تھا۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:"مسجد محض ادائے نماز ہی کے لئے نہ تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات وہدایات کا درس حاصل کرتے تھے اور ایک محفل بھی جس میں مدتوں جاہلی کشاکش و نفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبت سے مل جل رہے تھے، نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس ننھی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا اور مختلف قسم کی مہمات بھیجی جاتی تھیں، علاوہ ازیں اس کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی جس میں مجلس شوریٰ اور مجلس انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مسجد ہی ان فقراء ومہاجرین کی ایک خاصی بڑی تعداد کا مسکن تھی جن کا وہاں پر نہ کوئی مکان تھا نہ مال اور نہ ہی اہل عیال۔"[72]

اس مسجد کی حیثیت واضح کرتے ہوئے نعیم صدیقی فرماتے ہیں:"مسجد کی اہمیت بطور معبد ہی نہ تھی بلکہ اسے نظام تمدن وریاست کا سرچشمہ و مرکز بننا تھا وہ حکومت کا دربار، مشورے کا ایوان، سرکاری مہمان خانہ، جمہوری دار العلوم اور قومی لیکچر ہال کی حیثیت سے برپا کی گئی تھی۔"[73] ان دونوں آراء سے مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست میں مسجد نبویؐ کا سیاسی وانتظامی مقام واضح ہوتا ہے۔ مسجد نبویؐ کا کردار صفہ کے بغیر واضح نہیں ہوتا۔ صفہ مسجد نبویؐ کا ایک سایہ دار چبوترا تھا جہاں مہاجرین، علم کے متلاشی اور خود کو دینی خدمات کے لئے وقف کر دینے والے صحابہؓ کرام موجود ہوتے۔ یہ وہ صحابہؓ تھے جنہوں نے دنیاوی مشاغل ترک کر کے خود کو علم دین اور جہاد کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی تعلیم وتربیت آپؐ خود فرماتے تھے۔ یہاں پر زیر تعلیم صحابہؓ صرف مذہبی تعلیمات میں ماہر نہیں تھے بلکہ وہ اسلامی ریاست کے علماء، قضاء، معلمین اور سپہ سالار بنے۔ گویا مسجد نبویؐ نے مستقبل کی سیاسی قیادت کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔

ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:"و كان اہل الصفه من افقر اهل المدينة وكانوايسكنون فى المسجد"[74] "یعنی اصحاب صفہ غریب تھے اور مسجد میں رہتے تھے اور یہاں علم و عمل سیکھتے تھے جو انہیں رسول اللہ سکھایا کرتے تھے۔ گویا مسجد بنویؐ نے اسلامی ریاست کے قیام اور استحکام میں مرکزی کردار ادا کیا۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں دین وسیاست، قیادت وعبادت اور قانون وروحانیت کا حسین امتزاج تھا۔ یہ اسلامی ریاست کا دل تھا جس کی دھڑکن سے پورے اسلامی معاشرے کو زندگی ملی۔ مزید یہ کہ صفہ کے استحکام وانصرام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں جس قدر اہمیت مسجد کی ہے اس قدر اہمیت تعلیم قرآن وسنت کی بھی ہے۔

ھ۔عدالتی نظام کا قیام

اسلام امن وسلامتی اور عدل ومساوات کا دین ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:﴿ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان﴾[75]

ترجمہ:"بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"

چنانچہ مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آپؐ نے مقدمات کی سماعت کا آغاز فرمایا تو آپؐ قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ فرمایا کرتے اور مدینہ طیبہ کا عدالتی نظام ایک ایسی چھتری کی حیثیت رکھتا تھا جس کے سائے تلے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بھی انصاف میسر تھا۔ آپؐ نے مختلف صحابہؓ کو قضاء کے فرائض مختلف اوقات میں سونپے۔ان میں حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے نام نمایاں ہیں۔اس عدالتی نظام کی وضاحت درج ذیل نکات سے ہوتی ہے:

(i) "انصاف میں انتہائی احتیاط، غیر جانبداری اور دیانتداری سے کام لیا جاتا تھا۔"[76] آپؐ نے فرمایا"تم لوگوں کے جھگڑے میرے سامنے لاتے ہو اور بعض اوقات ہو سکتا ہے کہ کوئی فریق اپنی بات بہتر انداز میں پیش کرے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو جس کے حق میں ایسا فیصلہ کیا جائے جو حقیقت میں دوسرے کا حق ہو وہ اسے نہ لے کیوں کہ میں اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔"[77]

(ii) چونکہ عدل وانصاف، ریاست مدینہ کی ترجیحات میں تھا لہذا تمام قانون سازی اور عدالتی فیصلے ہمیشہ قرآن وسنت کی بنیاد پر کئے جاتے تھے۔﴿وان حکم بینھم بما انزل اللہ﴾[78]

(iii) مقدمات کی بنیاد چونکہ شہادت، گواہی اور تحقیق پر رکھی گئی تھی لہذا اس میں بہت احتیاط سے کام لیا جاتا اگر گواہ نہ ہوں تو قسم اور دلائل کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کیا جاتا۔ آپؐ نے فرمایا:(البینة علی المدعی، والیمین علی المدعی علیه)[79]یعنی دعوٰی کرنے والے پر گواہی پیش کرنا لازم ہے اور جس کے خلاف دعوٰی کیا گیا ہو تو اس پر قسم لازم ہے۔ گواہی کی اہمیت کے پیش نظر اس کے حوالے سے خصوصی ہدایات دی گئیں اور "جھوٹی گواہی کو شرک سے قریب ترین گناہ قرار دیا گیا"[80]

(iv) مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست میں جرائم کی روک تھام اور سدباب کے لئے حدود وتعزیرات کا نظام نافذ کیا گیا۔زنا کی سزا:

﴿الزانی والزانیة فاجلدوا کل واحد منھما مئة جلدة﴾[81]ترجمہ:"زانی مرد اور زانی عورت کو سو کوڑے مارو۔"

چوری کی سزا کے حوالے اس قرآنی ضابطے کی پابندی کی گئی:﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوَا اَيْدِيَـهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّـٰهِ۔۔﴾[82]ترجمہ:" اور چور خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا اور عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔"

اسی طرح قذف کی سزا:﴿ وَالَّـذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُـمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِـدُوْهُـمْ ثَمَانِيْنَ جَلْـدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَـهُـمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُـمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾[83]ترجمہ:"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔"

چونکہ یہ سزائیں نظام عدل کے قیام میں معاون ہیں لہذا مدینہ میں ان کا نفاذ ایک آزاد اور مستحکم قانونی نظام کی علامت تھا۔

(v) قانون سب کے لئے یکساں تھا کوئی فرد چاہے وہ کسی بھی قبیلے اور حیثیت کا حامل ہو قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ پروفیسر خورشید احمد کہتے ہیں:"مدینہ کی ریاست سے مساوات کا تصور ابھرتا ہے۔ایسی مساوات کہ جس میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان، امیر اور غریب کے درمیان، اعلٰی نسب وکم نسب کے درمیان اور غلام اور آقا کے درمیان انصاف کرنا ہے بلکہ انصاف سے آگے بڑھ کر اپنا حق دوسرے کے لئے قربان کرنا یعنی احسان کا رویہ اپنانا ہے"[84]

و۔ریاست مدینہ کا جہادی اور عسکری نظام

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ریاست مدینہ میں غزوات وسرایا بھی ہوئے جن کی تعداد کے حوالے سے ابن کثیر لکھتے ہیں:" وقال ابن سعد ... بلغ عدد بعوثه و سراياه' سبعاو اربعين "[85] ترجمہ:" سرایا (عسکری مہمات) جو آپؐ کی معاونت سے ہوئیں ان کی تعداد سینتالیس ہے آپؐ نے دعوت کے پھیلاؤ کے لئے ہجرت کی اس ہجرت نے ایک طرف دعوت کے کام کو ترقی اور استحکام بخشا اور دوسری طرف ظلم سے نجات کا ذریعہ بنی۔

آپؐ نے دینا کے گوشے گوشے میں اس دعوت حق کو پہنچانے کا خاص انتظام فرمایا۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:" اس مجاہدے کا آغاز دعوت اور اس کا فطری نتیجہ حق و باطل کی کشمکش اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کوشش ہے۔ اس کا ایک مرحلہ مقابلہ اور تصادم بھی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ شرک اور نفاق، بیرونی اور اندرونی چیلنجز سے نپٹنے کے مراحل میں جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔"[86] اس عسکری نظام کے اہم خدوخال مندرجہ ذیل ہیں:

(i) ریاست مدینہ کا عسکری نظام قرآن وسنت کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا۔ اس کی اساس اللہ کے دین کا قیام اور ظلم کے نظام سے نجات تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ اُذِنَ لِلَّـذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّـهُـمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّـٰهَ عَلٰى نَصْرِهِـمْ لَقَدِيْرٌ﴾[87]

ترجمہ:" جن سے کافر لڑتے ہیں انہیں بھی لڑنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے"

یعنی دفاعِ ریاست، جنگ کا اہم جواز ٹھہرا۔

(ii) غزوات وسرایا نے نہ صرف دفاعی بلکہ سیاسی اثرات بھی مرتب کئے۔ مسلمانوں کی فتوحات نے مدینہ کی ریاست کے سیاسی وقار میں اضافہ کیا۔ مختلف سرایا نے دفاعی حکمت کو توسیع بخشی۔

(iii) مسجد نبوی ﷺ میں عسکری تیاری اور تربیت بھی دی جاتی تھی۔ علم حرب، گھڑسواری، تیر اندازی اور جسمانی مشقوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی:وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْۚ

ترجمہ:" اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو تا کہ اس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور جو اُن کے علاوہ ہیں ڈراؤ۔"

(iv) ریاست مدینہ میں آپؐ کو سیاسی وعسکری دونوں طرح کی قیادت حاصل تھی۔ یہ وحدت دراصل نظم وضبط، اعلیٰ حکمت عملی اور فوری منصوبوں کی بنیاد بنی۔ تمام عسکری فیصلے وحی الٰہی کی روشنی میں اور صحابہؓ کی مشاورت سے کئے جاتے۔

(v) جہاد فی سبیل اللہ میں عدل وراستی مقدم تھی:﴿و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا﴾88

ترجمہ:" اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔"

(vi) ریاست مدینہ میں غنیمت کی تقسیم کا منصفانہ نظام بنایا گیا:﴿ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَاَنَّ لِلّـٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾[89] ترجمہ:" اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے خواہ کوئی چیز ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"

گویا ریاست مدینہ کا عسکری نظم محض جنگی حکمت عملی پر مبنی نہیں تھا بلکہ اعلیٰ اخلاقی اقدار، حدود شرعیہ اور عدل وانصاف پر مبنی تھا۔ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی گئی۔ جنگ میں زیادتی سے منع کیا گیا اور اقلیتوں کے تحفظ کی تعلیم دی گئی۔

(ھ)۔ مواخات مدینہ: اسلامی معاشرتی اور سیاسی وحدت کی بنیاد

جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ پر ایمان لانے والے لوگ دو طبقات میں واضح منقسم تھے۔ ایک مدینہ کے رہائشی انصار جن کے اپنے گھر بار، زمینیں اور کاروبار موجود تھے۔ جبکہ دوسرا طبقہ مکہ سے آنے والے مہاجرین کا تھا جو مکہ میں تو ایک بلند مقام رکھتے تھے بیشتر کا تعلق قریش سے تھا لیکن ہجرت کے اس سفر میں انہوں نے اسلام کے لئے عظیم الشان قربانی دی وہ اپنے گھر بار، اہل وعیال، مال ومتاع، عزیز ورشتہ دار سب مکہ میں ہی چھوڑ آئے تھے اور مدینہ میں ان کی حیثیت مجبور مہاجرین کی تھی۔ یہ دونوں طرح کے افراد دو مختلف اقوام سے تعلق رکھتے تھے جن کی روایات بھی بہت مختلف تھیں۔ انصار مدینہ نے اپنے ان مہاجر بھائیوں کا بہت پرجوش استقبال کیا لیکن یہ مہاجرین چند دن کے لئے نہیں چند سالوں کے لئے نہیں بلکہ مستقلاً یہاں منتقل ہوئے تھے لہٰذا آپؐ نے بہت حکمت سے اس خلا کو پر کیا اور ایک

ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ مہاجرین و انصار کے مابین یہ معاہدہ صرف مالی تعاون اور رفاقت کا نہ رہا بلکہ اس نے سماجی و سیاسی معاہدے کی شکل اختیار کی جس نے مہاجرین کو مختلف فکروں سے آزاد کر کے ریاست کے کارآمد افراد بنایا اور انہوں نے انصار کے ساتھ مل کر اس نوزائیدہ ریاست کے استحکام میں اپنا کردار ادا کیا۔ ابن قیم کہتے ہیں: "پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارہ کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبی قرابتداروں کی بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا پھر یہ آیت نازل ہوئی "[90]

﴿وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ﴾[91]

ترجمہ: "اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے پر زیادہ حق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے "

اس طرح پھر انصار و مہاجرین میں باہمی وارثت کا یہ حکم ختم کر دیا گیا۔ اس مواخات کی غرض بیان کرتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد کہتے ہیں: "یہی مواخات اسلامی وحدت اور امت بنانے کی بنیاد بن گئی اور مدینہ کو صحیح معنوں میں مدینہ بنا دیا، پھر مدینہ محض انصار و مہاجرین کا مسکن نہیں رہا بلکہ امت مسلمہ کا مرکز و محور بن گیا اور ہمیشہ رہے گا۔ "[92] اس مواخات کا ذکر احادیث کی کتب میں بھی ملتا ہے: "اخی رسول اللہ بین عبدالرحمن بن عوف و سعد بن الربیع "[93] یعنی رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمنؓ بن عوف و سعدؓ بن الربیع کے درمیان مواخات کرائی۔ مواخات مدینہ سے مندرجہ ذیل سیاسی فوائد حاصل ہوئے:

(i) قریش، اوس، خزرج، انصار و مہاجرین اور دیگر قبائل کے درمیان نسلی و خاندانی تفاوت ختم ہو گیا۔

(ii) مواخات مدینہ کے نتیجہ میں سیاسی یکجہتی پیدا ہوئی اور تمام مسلمان ایک ریاست کی ایک سیاسی اکائی کی حیثیت سے متحد ہو گئے۔

(iii) مواخات مدینہ نے امت کے تصور کو فروغ دیا جہاں نسل، علاقہ، قوم سے بالاتر ہو کر تمام لوگ امت مسلمہ کے افراد کہلائے جانے لگے۔

(iv) مواخات مدینہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جب انصار نے مہاجر بھائیوں کو اپنی زمینوں، کاروبار اور مکانات میں شریک کیا تو ریاست مدینہ میں معاشی استحکام کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

(v) مواخات کی وجہ سے سماج میں اتحاد پیدا ہوا تو عدلیہ، مسجد اور دیگر ریاستی اداروں کی بنیاد پڑی اور ان اداروں کو معاشرتی قبولیت ملی۔

(و)۔ ریاست مدینہ کی خارجہ پالیسی اور سفارتی تعلقات

ریاست مدینہ محض ایک داخلی نظام پر مشتمل ریاست نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ کار خارجی دنیا تک پھیلا ہوا تھا کیونکہ آپؐ کو تمام جہانوں اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ کا مقصد بعثت حکومت الٰہیہ کا قیام ہے لہٰذا جہاں تک انسان بستے تھے وہ آپؐ کی دعوت کے مخاطبین میں شامل تھے اسی لیے آپؐ نے داخلی نظم کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی تعلقات کی استواری کے لئے اصول وضع فرمائے۔ قبائل، اقوام اور بادشاہوں سے روابط بنائے، مختلف معاہدات کئے اور امن و انصاف پر مبنی سفارتکاری کی طرف توجہ فرمائی۔ رسول للہ ﷺ کی خارجہ پالیسی کی بنیادیں بہت واضح تھیں اولین بنیاد قرآن مجید کی یہ آیت: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾[94] ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو جو بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے۔ "
اس آیت نے آپؐ کی بعثت کو عالمگیر قرار دیا لہٰذا اس آیت کی روشنی میں اسلامی خارجہ پالیسی کی بنیادوں میں دین اسلام اور دعوت کی عالمگیریت، امن و عدل کا فروغ، معاہدات کی پاسداری اور دیگر اقوام کے ساتھ تعلقات شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف معاہدات کے ذریعے اسلامی خارجہ پالیسی کے اہم عنوانات کو واضح فرمایا۔ میثاق مدینہ کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں تفصیلاً بحث ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ قریش کے ساتھ دس سالوں پر محیط معاہدہ امن جسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے شامل ہے۔ "اس معاہدے نے اسلامی ریاست کو بین الاقوامی اور قانونی حیثیت دی۔ اس معاہدے کی رو سے سفارتی تعلقات بہتر ہوئے۔ امن کو فروغ ملا اور اسلامی ریاست کو فروغ دعوت کے لئے وقت ملا۔ "[95]
الرحیق المختوم کے مؤلف لکھتے ہیں: "جو شخص اس (معاہدہ حدیبیہ) کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی عظیم فتح تھی کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لئے کوشاں تھے۔ اس پس منظر میں دیکھیئے تو صلح کی جانب جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت

نہیں رکھتے۔"[96] صلح حدیبیہ کے بعد 6 سے 8 ہجری کے دوران اسلامی ریاست کو سفارتکاری کے لئے بھرپور وقت اور مواقع میسر آئے اور آپؐ نے مختلف حکمرانوں جن میں نمایاں نام قیصر روم ہرقل، کسریٰ ایران، نجاشی حبشہ اور مقوقس مصر وغیرہ شامل ہیں۔ ان خطوط میں دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ ریاستی وقار اور سفارتی آداب کا بھی خیال رکھا گیا"[97]

اسلامی خارجہ پالیسی میں جہاد اور سفارتکاری کے توازن کو ملحوظ رکھا گیا کیونکہ اسلام جنگ نہیں امن کو اولین ترجیح قرار دیتا ہے اور دنیا کو جو دین امن عطا کر سکتا ہے وہ اسلام ہے۔ اسلام کے ابلاغ اور قیام کے لئے دفاعی اقدام اور عدل کا قیام ضروری ہیں، اس بحث سے نبوی خارجہ پالیسی کی حکمت، فطرت امن اور بین الاقوامی سطح پر اسلامی سفارتکاری کی اثرپذیری کا اندازہ ہوتا ہے۔

(ز)۔ مدنی دور اسلامی ریاست کا معاشی و اقتصادی ڈھانچہ

"کسی بھی ریاست کی بقاء، ترقی اور استحکام کا دارومدار اس کے اقتصادی نظام پر ہوتا ہے کیونکہ اقتصادیات ریاست کا ایسا ستون ہے جو حکومت کا نظام چلانے، عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں کے نفاذ اور داخلی و خارجہ پالیسی کے مؤثر بنانے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ اگر کوئی ریاست مالی طور پر کمزور ہو تو تعلیم، صحت، عدلیہ، دفاع اور دیگر تمام شعبے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اقتصادیات کی اس اہمیت کے پیش نظر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے مالیاتی نظم کی طرف بھرپور توجہ کی اگرچہ بیت المال کا باقاعدہ ادارہ عہد خلفائے راشدین میں قائم ہوا تاہم اس کی ابتدائی شکل عہد رسالتؐ میں موجود تھی۔

(i) "و کان اول من قام دون للناس فی الاسلام الدوواوین و کتب الناس علی قبائلھم العطاء"[98] یعنی وہ (عمرؓ) اسلام میں پہلے شخص تھے جنہوں نے لوگوں کے لیے دواوین (سرکاری رجسٹر) مرتب کیے، لوگوں کو ان کے قبائل کے مطابق درج کیا اور ان کے لیے وظائف مقرر کیے۔ لیکن عہد رسالت میں اس کی بنیادیں رکھی جا چکی تھیں جیسا کہ ابن سعد کہتے ہیں: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقسم صدقات البوادئ فی البوادی و صدقات اھل الحضر فی اھل الحضر"[99] یعنی آپ ﷺ دیہات سے موصولہ صدقات کو دیہات اور شہر سے موصول ہونے والوں کو شہر والوں میں تقسیم فرماتے۔ گویا دور نبویؐ میں ہی فے، صدقات، غنائم، زکوٰۃ وغیرہ جمع کرنے اور مستحقین میں تقسیم کرنے کا باقاعدہ نظام موجود تھا۔

چونکہ زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام کی اساس ہے اور اسلامی حکومت کے فرائض منصبی میں داخل ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ-وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾[100] ترجمہ: "وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں" لہٰذا مصارف زکوٰۃ کا تعین کیا گیا: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ-فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ-وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾[101] ترجمہ: "زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھوڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔"[102]

(ii) فے وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ ہی مسلمانوں کے قبضے میں آجائے۔ جبکہ غنیمت وہ مال ہے جو جنگ کے بعد حاصل ہو جس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ کے لئے مختص ہوتا ہے۔ جزیہ غیر مسلم رعایا سے ریاستی تحفظ کے بدلے میں لیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں ان تمام مالی وسائل کے قوانین اور ضابطے بنائے گئے اور عملاً نفاذ کیا گیا۔

(iii) محض مال کی وصولی اور مال جمع کرنا ریاست کی ذمہ داری نہ تھا بلکہ اس رقم سے رعایا کی خوشحالی کا اہتمام کیا جاتا۔ یتیموں، مساکین، بیواؤں اور مقروضوں کی کفالت کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا۔ مہاجرین کی آبادکاری کی طرف توجہ کی گئی۔ دوسروں پر رحم کرنے کی تربیت دی گئی: (من لا یرحم ، لا یُرحم)[103] ترجمہ: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" گویا مدنی ریاست میں اقتصادی نظام کا بنیادی ہدف سماجی فلاح، معاشی عدل اور وسائل کی منصفانہ تقسیم تھا۔ زکوٰۃ، صدقات اور ریاست کے ذرائع آمدنی کے ذریعے ایک فلاحی ریاست کی بنیاد ڈالی گئی۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

(ح)۔یہودی قبائل سے معاہدات، بغاوت اور سیاسی رد عمل

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد نبی اکرمؐ نے جہاں مہاجرین و انصار کے مابین مواخات کا رشتہ قائم فرمایا وہیں مدینہ میں آباد غیر مسلم اقوام بالخصوص یہودی قبائل سے عادلانہ اور متوازن بنیادوں پر تعلقات استوار فرمائے۔ یہ داخلی سیاسی تقاضا تھا۔ یہودی قبائل میں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ نمایاں قبائل تھے جو معیشت، ہنر اور تحریری علم میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ آپؐ نے ان قبائل کے ساتھ مذہبی جبر یا سیاسی غلبے کی پالیسی کی بجائے معاہدات کے ذریعے سے تعلقات استوار کئے۔ اس کی سب سے اہم مثال میثاق مدینہ ہے جس پر گزشتہ صفحات میں تفصیلاً بحث ہو چکی ہے۔ تاہم یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ میثاق مدینہ میں ان کو باقاعدہ شہری تسلیم کیا گیا۔ ان کے مذہبی تشخص اور داخلی معاملات میں خود مختاری کو بھی اہمیت دی گئی لیکن مشترکہ دفاع اور مدینہ پر بیرونی حملے کی صورت میں تعاون کی شرط رکھی گئی تھی جیسا کہ میثاق میں دفعہ ہے:(وان یهود بنی عوف امة مع المومنین، للیهود دینهم و للمسلمین دینهم موالیهم و انفسهم)[104] یعنی "اور بے شک بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہیں۔ یہود کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین (یہ حکم) ان کے حلیفوں اور خود ان پر بھی لاگو ہو گا۔" گویا اس معاہدے کا مقصد مدینہ طیبہ کی آئینی ریاست کی تشکیل تھا جس میں تمام قبائل شریک ہوں۔ تاہم بعد ازاں یہودی قبائل میں سے ہر ایک نے ریاستی آئین اور معاہدات کی خلاف ورزی کی سب سے پہلے بنو قینقاع نے، یہ مدینہ کے بازاروں میں تجارت اور زرگری میں نمایاں تھے۔

انہوں نے ایک مسلمان خاتون کے ساتھ بد تمیزی کی جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا اور اس یہودی کو قتل کر دیا گیا جواباً یہودیوں نے مسلمان کا قتل کیا۔ اس کے بعد کشیدگی بڑھی اور آپؐ نے بالآخر یہود کو معاہدہ توڑنے پر متنبہ فرمایا لیکن جب وہ باز نہ آئے تو بنو قینقاع کا محاصرہ کر کے انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔[105] بنو نضیر نے نبی کریمؐ کے قتل کی خفیہ سازش کی۔ قرآن نے ان کی جلاوطنی کے واقعہ کو سورۃ الحشر میں بیان کیا ہے:﴿هو الذی اخرج الذین کفروا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾[106] ترجمہ: "وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلا لشکر جمع کرنے کے وقت نکال دیا" بنو نضیر نے غطفان اور قریش کے ساتھ بھی سازباز کی آپؐ نے ان کا محاصرہ کر کے ان کو بھی جلاوطن کر دیا اور ان کی زمینیں مہاجرین میں تقسیم فرمادیں"[107]

بنو قریظہ کی طرف سے شدید بغاوت سامنے آگئی جب انہوں نے غزوہ خندق میں کفار مکہ کے ساتھ معاہدہ کر کے مدینہ کی مشرقی سمت سے دفاع کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ یہ اقدام سیاسی بغاوت اور غداری تھا لہٰذا بعد از جنگ حضرت سعد بن معاذؓ کی ثالثی پر اس کو چھوڑ دیا گیا جنہوں نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کیا جائے، عورتیں اور بچے قیدی بنالئے جائیں۔ آپؐ نے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا۔[108] مذکورہ تینوں قبائل کی عہد شکنی اور ریاستی بغاوت سے نپٹنے کے بعد خیبر کے یہودیوں کی طرف توجہ دی گئی جو مدینہ کے شمال میں قلعہ بند علاقہ تھا اور سیاسی سازشوں کا مرکز تھا۔[109] 7 ہجری میں خیبر فتح ہوا اور وہاں کے یہود سے معاہدہ کیا گیا۔ کہ وہ زمین کاشت کریں گے لیکن نصف پیداوار اسلامی ریاست کو دیں گے۔[110]

یہ واقعات وضاحت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے کبھی قومی یا مذہبی بنیاد پر کاروائی نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ عدل، قانون اور معاہداتی نظم کی بنیاد پر رد عمل دیا۔ یہودی قبائل سے سیاسی تعلقات کی تاریخ وضاحت کرتی ہے کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے ساتھ برابری، تحفظ اور خود مختاری کے اصول قائم کئے گئے۔ جب ان اصولوں کی پامالی کی گئی تو انصاف پر مبنی رد عمل دیا گیا۔

(ط)۔ریاست مدینہ طیبہ کا سیاسی عروج: فتح مکہ سے حجۃ الوداع

مدنی سیاست کے ارتقائی مراحل میں سیاسی اور عسکری برتری کے فیصلہ کن سنگ میل کے حوالے سے فتح مکہ کا اپنا ایک مقام ہے۔ جب قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تو آپ ﷺ نے 8 ہجری میں بغیر کسی خونریزی کے مکہ فتح کر لیا۔ یہ اسلام کے دعوتی غلبے اور سیاسی مرکزیت کا اعلان تھا۔ آپؐ نے انتقام کی بجائے عام معافی کا اعلان کیا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اسلام ایک انقلابی طرز سیاست کا نام ہے جو انتقام کی بجائے اصلاح و ادغام پر مبنی ہے۔ امام ابن قیم لکھتے ہیں: "یہ وہ فتح اعظم جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو اپنے رسول ﷺ کو اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو عزت بخشی اور اپنے شہر کو اپنے گھر کو جسے دنیا والوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا ہے کفار اور مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں، اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور روئے زمین کا چہرہ روشنی اور چمک دمک سے جگمگا اٹھا۔"[111] گویا فتح مکہ ریاست نبویؐ کے قیام اور اسلام کی قوت و سطوت کا سنگ میل تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ کی قیادت کو جزیرۃ العرب میں مرکزی اتھارٹی کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ 9 ہجری کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ جب مختلف قبائل

نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا اور ریاستی بیعت کی۔ اس سیاسی اتحاد نے مدینہ کی ریاست کو قبائلی رقابتوں سے نکال کر ایک وحدت میں بدل دیا۔ ہر طرف سے رسول اللہ ﷺ کے پاس وفود آنا شروع ہوئے اور اسلام کی سطوت اور قوت کا اعتراف کیا۔ الرحیق المختوم کے مؤلف لکھتے ہیں: "ان وفود کی پے درپے آمد سے پتہ لگتا ہے کہ اس وقت اسلامی دعوت کو کس قدر فروغ اور قبول عام حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب مدینہ کو کتنی قدر اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ اس کے سامنے سپر انداز ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں سمجھتے تھے۔ در حقیقت مدینہ جزیرہ العرب کا دالحکومت بن چکا تھا اور کسی کے لیے اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔"[112]

مدینہ طیبہ کے سیاسی سفر کا نقطہ عروج حجۃ الوداع ہے جو آپ ﷺ نے 10 ہجری میں ادا فرمایا اس موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے آپؐ نے مساوات، عدل، تحفظ جان و مال اور قیادت بطور امانت کے اصولوں کی وضاحت فرمائی۔ نبی اکرمؐ کا یہ خطاب اسلامی ریاست کی اخلاقی اور سیاسی بنیاد تھا جس میں حکمرانی کے اصول بتائے گئے۔ تکمیل شریعت کا اعلان فرمادیا گیا:

﴿اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً﴾[113]

ترجمہ: "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا۔"

ان مختلف امور کی طرف اشارہ اس بات کی علامت تھا کہ ریاست کی اصل روح عبادت الٰہی اور فلاح انسانیت ہے۔ اسی کی نشاندہی کرتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد فرماتے ہیں: "ان سب چیزوں کا ہدف اور مقصود معبود حقیقی کا قرب ہے۔ اس کی رضا کا حصول ہے اور اس کے حصول پر کامیابی ہے"[114] اب ریاست مدینہ نہ صرف علاقائی طاقت تھی بلکہ اپنے قانونی اور اخلاقی اصولوں کے ساتھ ایک نظام حیات بھی رکھتی تھی۔ نبی کریمؐ نے شخصی قیادت کا خاتمہ فرمایا اور نظام و نظریہ کی قیادت کی طرف توجہ دلائی۔

(ی)۔ خاندان کے ادارہ کی بنیاد

اس اہم نکتے کو بالکل اسی عنوان کے تحت پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں: "ام المؤمنین حضرت خدیجہ کا دین میں بڑا کردار ہے۔ انہوں نے حضرت نبی کریمؐ کی تسکین، مالی معاونت، وفاداری، اولاد کی تربیت کی اور صحابیات نے مکی دور میں بے پناہ قربانیاں دیں۔ تاہم ماں کا کردار مدینہ میں آکر ایک اور شان کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے۔ خاندان کی تشکیل مذکورہ تمام قربانیوں سے بڑی قربانی یہ کہ امت کی اصلاح اور تربیت کے لئے ام المؤمنین کا اپنی نجی زندگی کو عام کر دینا ہے۔ یہ مرحلہ مدینہ منورہ میں پیش آیا جس نے رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی کو پبلک زندگی میں تبدیل کر دیا اور نجی اور مجلسی زندگی کا ہر پہلو امت کے لئے سنت اور نمونہ قرار پایا۔"[115] سید قطب کہتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی بدولت عربی وحدت، انسانی وحدت اور اجتماعی عدل وجود میں آگیا، نوع انسانی کو دنیاوی مسائل اور خروی معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی بالفاظ دیگر زمانے کی رفتار بدل گئی، روئے زمین متغیر ہو گیا، تاریخ کا دھارا مڑ گیا اور سوچنے کے انداز بدل گئے۔ اس دعوت نے دنیا کو عفت و نظافت، استبداد سے آزادی، ایجادات و تعمیر، آزادی و تجدد، معرفت ویقین، وثوق وایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی بنیادوں پر زندگی کی بالیدگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لیے تعمیر کیا۔[116] مولانا صفیٰ الرحمن نے لکھا: ان تبدیلیوں کی بدولت جزیرۃ العرب نے ایک ایسی بابرکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظیر انسانی وجود کے کسی دور میں نہیں دیکھی گئی اور اس جزیرے کی تاریخ اپنی عمر کے ان یگانہ روزگار ایام میں اس طرح سے جگمگائی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں جگمگائی تھی[117]

خلاصہ بحث

اسلامی ریاست کی بنیادیں محض مدینہ منورہ سے ہی نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے جان گسل حالات اور آپ ﷺ کی حکمت عملی سے بھی وابستہ ہیں۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں باقاعدہ ریاست قائم نہیں کی گئی تاہم ایک اخلاقی اور فطری انقلاب برپا کیا گیا جس کے اہدف میں بت پرستی، قبائلی مرکزیت اور قریش کے سرداری نظام پر ضرب لگانا تھا۔ مکہ مکرمہ کا فکری و اخلاقی انقلاب مدینہ میں باقاعدہ ریاست کی بنیاد بنا۔ ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے میثاق مدینہ کے ذریعے مختلف مذاہب کی حامل اقوام کے درمیان ایک شہری معاہدہ تشکیل دیا۔ اسی بنیاد پر مدینہ طیبہ کو پہلی اسلامی ریاست کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس ریاست کی داخلی وحدت کے لئے مواخات جیسا معاہدہ کیا گیا جس نے مہاجرین و انصار میں معاشی و معاشرتی یکجہتی پیدا کی۔ اسلامی ریاست کے اقتصادی نظام کے استحکام کے لئے زکوٰۃ، صدقات، فے، خمس، عشر، بیت المال جیسے اداروں کے ذریعے دولت کی منصفافہ اور عادلانہ تقسیم کو ممکن بنا دیا گیا۔ سیاسی نظام میں مشاورت، عدل اور قیادت کی اہمیت کو عنوان بنایا گیا جبکہ خارجہ پالیسی میں آپؐ نے مراسلت، معاہدات، وفود اور حکمت کے ذریعے ریاست مدینہ کا وقار بڑھایا اور بین الاقوامی تعلقات کی بنیادیں متعین کیں۔ ریاست کا سیاسی عروج 8 ہجری میں فتح مکہ کی صورت میں سامنے آیا جب بغیر خونریزی کے شہر کو فتح کیا گیا اور عام معافی کا اعلان کیا گیا۔ یہ اسلامی ریاست کے بلند ترین اصولوں کی عملی تصویر تھی 10 ہجری

میں خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں آپ ﷺ نے اپنی ریاستی قیادت کی تکمیل فرمائی اور مساوات، انسانی حقوق، قیادت بطور امانت اور تکمیل دین کا اعلان فرمایا۔ یوں ریاست مدینہ طیبہ ایک ہمہ جہت اسلامی ریاست کی صورت میں مکمل سیاسی ماڈل کے طور پر ظہور میں لائی گئی جس کا بلند ترین مقصد قرب الٰہی کا حصول اور اللہ کی رضا پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا حصول ہے۔

حوالہ جات(References)

1 الانبیاء107:21

2 نعیم صدیقی، محسن انسانیت ﷺ، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور، اپریل2007ء، ص 71

3 التوبہ33:9؛ الفتح28:48؛ الصف14:61

4 العلق1:96

5 المزمل1:73

6 المدثر1:74

7 الانعام57:6

8 یوسف40:12

9 العلق6:96-7

10 الھود112:11

11 الاعراف88:7

12 المزمل10:73

13 قریش1:106-4

14 شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2004ء، ج1، ص45

15 ابن ہشام، ابو محمد، عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری(م213ھ)، السیرۃ النبویہ ۃ لابن ہشام، المحقق: طٰہ عبد الرؤف سعد، دار الجیل، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، (1411م)ج2، ص98

16 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، لاہور، پاکستان، س۔ن۔ ص130-131

17 العسقلانی، ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ تحقیق: علی محمد البجاوی، دار الجیل، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، (1412ھ)ج1، ص44

18 الصلابی، علی محمد، الدکتور، السیرۃ النبویۃ عرض و قائع و تحلیل احداث، المکتبۃ الشاملۃ، س-ن، ج1، ص138

19 نوح23:71

20 اقبال، محمد، علامہ، ارتقاء، بانگ درا، ص247

21 الحجر6:15

22 ص4:38

23 الانعام53:6

24 الفرقان4:25

25 الفرقان7:25

26 لقمان6:31

27 القلم9:68

28 الشوکانی، محمد بن علی بن محمد(م1250ھ)، فتح القدیر، دار لکتب العربیہ، س-ن، ج8، ص73، سورۃ الکافرون

29 الکافرون1:109-6

30 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر القرشی الدمشقی(م774ھ)، البدایۃ والنھایۃ، تحقیق: علی شیری، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ، (1408م)ج3، ص119

31 ابن ہشام, سیرت ابن ہشام، ج2، ص159-163

32 ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری(م230ھ)، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: احسان عباس، دار صادر، بیروت، طبع اول، (1968م)ج3، ص116

33 ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص219

34 ابن سعد، الطبقات، ج1، ص204

35 نعیم صدیقی، محسن انسانیتؐ، ص194-195

36 الشامی، محمد بن یوسف الصالحی، سبل الھدی والرشاد، المکتبۃ الشاملۃ، ج2، ص390-391

37 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج2، ص164

38 محمد سعید رمضان السیوطی، الدکتور، فقہ السیرۃ النبویۃ، س-ن، ص712

39 غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران، لاہور، 2007م، ص742-743

40 الرحیق المختوم، ص205؛ مودودیؒ، ابوالاعلی، سید، سیرت سرور عالمؐ، مرتبین: نعیم صدیقی، عبد الوکیل علوی، ادرہ ترجمان القرآن، لاہور س-ن، ص694

41 ابن ہشام, سیرت ابن ہشام، ج2، ص281

42 الممتحنۃ12:60

43 سیرت سرور عالمؐ، ج2، ص69

44 ایضاً، ص2/697

45 45 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص207-209

46 ابن ہشام, سیرت ابن ہشام، ج2، ص290

47 ابن ہشام, سیرت ابن ہشام ج2، ص291-292

48 الحاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین: تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، (1411ھ) کتاب الھجرۃ الاولیٰ الی الحبشہ، ج2، ص 681، رقم: 4251

49 مستدرک حاکم، ج2، ص681، رقم: 4251

50 الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، (2015م)، ج2، ص598، بحوالہ: البدایۃ والنھایۃ، ج3، ص203

51 51 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص218

52 مودودیؒ، ابوالاعلی، سید، سیرت سرور عالمؐ، ج2، ص754

53 گوہر الرحمن، اسلامی سیاست، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، پاکستان، 2010ء، ص185

54 54 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص245

55 یاسین مظہر صدیقی، پروفیسر، عہد نبویؐ کا نظام حکومت، ادارہ تحقیق و تصنیف، علیگڑھ، 2002ء، ص13

56 56 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص244

57 یاسین مظہر صدیقی، عہد نبویؐ کا نظام حکومت، ص13-14

58 خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی نظریاتی اساس نفاذ شریعت اور مدینہ کی اسلامی ریاست، آئی بی ایس پریس، اسلام آباد، 2021ء، ص221-222

59 النساء77:4

60 خورشید احمد، پاکستان کی نظریاتی اساس، نفاذ شریعت اور مدینہ کی اسلامی ریاست، ص222

61 پاکستان کی نظریاتی اساس: ص222

62 ابن ہشام, سیرت ابن ہشام، ج3، ص:36-39

63 63 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص263

64 نعیم صدیقی، محسن انسانیتؐ: ص246

65 ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج3، ص31-32

66 حیدر آبادی، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ، مترجم: ابو یحیٰی امام خان، سیاسی وثیقہ جات، مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور، طبع دوم، 2005م، ص35

67 خورشید احمد، پاکستان کی نظریاتی اساس، ص223

68 علی محمد الصلابی، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص4

69 نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص246

70 البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (256م)، الجامع الصحیح، دار الشعب القاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ، (1407م، کتاب بدء الوحی، ج5، ص78، رقم:3906

71 71 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص254-255

72 ایضا

73 نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص243

74 محمد زکی محمد خضر، الدکتور، ھذا القرآن فی مائۃ حدیث نبوی، المکتبۃ الشاملۃ، ج1، ص14

75 النحل90:16

76 ابن القیم، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی، اعلام الموقعین عن رب العالمین؛ تحقیق: طہ عبد الرؤف، دار الجیل، بیروت، 1973م، ج1، ص105-106

77 الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب من اقام البینہ بعد الیمین، ج3، ص235، رقم:2680

78 المائدہ49:5

79 الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ السلمی (م279ھ)، الجامع الصحیح سنن الترمذی، تحقیق: احمد محمد شاکر و آخرون، دار احیاء التراث العربی، بیروت، باب ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ، ج3، ص626، رقم:1341

80 صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب ما قیل فی شھادۃ الزور، ج3، ص224، رقم:2653

81 النور2:24

82 المائدۃ38:5

83 النور2:24

84 خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی نظریاتی اساس، ص224

85 البدایۃ والنہایۃ، ج4، ص296

86 خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی نظریاتی اساس، ص225

87 سورۃ الحج39:22

88 البقرۃ190:2

89 الانفال41:8

90 ابن قیم، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب (751م)، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ27، 1415ھ، ج3، ص63

91 الاحزاب6:33

92 خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی نظریاتی اساس، ص224

93 صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب اخاء النبی ﷺ بین المھاجرین والانصار، ج5، ص39، رقم:3780

94 السبا28:34

95 البدایہ النہایہ، ج4، ص154-156

96 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص469

97 ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج6، ص 13-14

98 الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر (م310ھ) تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، 1407ھ، ج2، ص570

99 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1، ص386

100 الحج78:22

101 التوبہ60:9

102 دیکھیے: صحیح مسلم، باب تحریم ھدایا العمال، ج6، ص11، رقم:4843

103 صحیح مسلم، باب رحمتہ ﷺ الصبیان، ج4، ص1808، رقم:2318

104 ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج3، ص34

105 البدایہ والنھایۃ، ج4، ص5

106 الحشر2:59

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

[107] دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب بدءالوحی، باب قولہ (ماافاءاللہ علی رسولہ}، ج6، ص184، رقم:4885

[108] صحیح مسلم، باب جواز قتال من نقض العھد، ج5، ص160، رقم:4695

[109] ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج4، ص297

[110] صحیح بخاری، کتاب المغازی

[111] 111 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص535، بحوالہ: زادالمعاد، ج3، ص431-432

[112] 112 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص609

[113] سورۃ المائدہ:3:5

[114] خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی نظریاتی اساس، ص225

[115] ایضا

[116] 116 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص613؛ بحوالہ: سید قطب، در مقدمہ واذا خسر العالم بانحاط المسلمین، س-ن، ص14

[117] ایضا